فروغ فکر و آگہی کے لئے
ماہنامہ
پیام
اسلام آباد
ABC سے تصدیق شدہ اشاعت

مارچ/اپریل
2022ء

شعبان/رمضان
۱۴۴۳ ہجری

معارف قرآن نمبر

مطالعہ قرآن مجید
حقیقت دعا و مناجات
قرآن کا طرز استدلال
تدوین وحفاظت قرآن: مختلف استشراقی نظریات کا ناقدانہ جائزہ
سید العلماء علامہ علی نقی النقویؒ کے ترجمہ قرآن کے امتیازات
سیرت نبوی ﷺ قرآن کی روشنی میں

حکومت پنجاب کی طرف سے تعلیمی اداروں اور پبلک لائبریریز کے لیے منظور شدہ

ماہنامہ جلد 25 شمارہ 3-4

پیام

فروغِ فکر و آگہی کے لیے

اسلام آباد

ABC سے تصدیق شدہ اشاعت

Regd. No. ID 311

مارچ/اپریل 2022ء، شعبان/رمضان ۱۴۴۳ ہجری

ISSN 1562-0018

مدیر اعلیٰ: ثاقب اکبر

مدیر: سید نثار علی ترمذی

مینیجنگ ایڈیٹر: مرتضیٰ عباس

انچارج پبلی کیشنز: عرفان حسین

مجلس ادارت

- ڈاکٹر محمد طفیل
- ڈاکٹر محسن مظفر نقوی
- ڈاکٹر شہزاد اقبال شام
- ڈاکٹر ناصر زیدی
- مفتی امجد عباس
- ڈاکٹر ندیم عباس

مجلس مشاورت

- پروفیسر فتح محمد
- پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز
- پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر
- سید ضیاء اللہ شاہ بخاری
- پیر غلام رسول اویسی
- پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر
- نعیم الحسن نقوی
- صاحبزادہ امانت رسول
- سید اعجاز حسین رضوی
- سید اسد عباس
- ڈاکٹر وقار حیدر نقوی
- ڈاکٹر ندیم عباس بلوچ

ڈیزائننگ	کمپوزنگ
حیدر نقوی	اکرام حسین

PO Box No 416
Islamabad
051-2218005
+92 306 5566771

شمارہ ھذا: -/150 روپے زرسالانہ -/1000 روپے

زرسالانہ امریکہ، کینیڈا، یورپ -/190 ڈالر

مڈل ایسٹ -/90 ڈالر

publications@albasirah.com
www.albasirah.com

ukhuwat@gmail.com
murtaza@albasirah.com

کرنل (ر) افتخار حسین نے شجاع سنز آبپارہ اسلام آباد سے چھپوا کر البصیرہ شاہ اللہ دتہ اسلام آباد سے شائع کیا۔

اجمال پیام

معارف قرآن نمبر		۳
مطالعہ قرآن مجید	ڈاکٹر محسن مظفر نقوی	۵
تدوین وحفاظتِ قرآن: مختلف استشراقی نظریات کا ناقدانہ جائزہ	ڈاکٹر محمد شہباز منج	۸
سید العلماء علّامہ علی نقی النقویؒ کے ترجمہ قرآن کے امتیازات	علّامہ مفتی جعفر حسین	۲۵
سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی روشنی میں	ابوسعد اعظمی	۳۷
حقیقت دعا ومناجات	سید ثاقب اکبر	۴۲
قرآن کا طرزِ استدلال	ڈاکٹر اختر حسین عزمی	۴۶
عدمِ تحریف قرآن	مولانا سید فدا حسین بخاری	۵۵
امام خمینیؒ کی نظر میں فہم قرآن کریم کے اصول	ڈاکٹر سید علی عباس نقوی	۶۵
قرآن؛ علم وبیان	زبیر شبیر	۷۴

شاعری

علامہ اقبال کے کلام میں قرآن حکیم کا ذکر	حافظ محمد شہباز عزیز	۷۷
رباعی	نجم آفندی	۸۸
سورہ فاتحہ کا منظوم ترجمہ	جوش ملیح آبادی	۸۹
دل میں قرآن کی شہ روشنی در آئی ہے	شیر افضل جعفری، جھنگ	۹۰
رباعی	محمد نصیر زندہ	۹۱
قرآن کی کہانی	قیصر بارہوی	۹۲
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان	ثاقب اکبر	۹۴

معارف قرآن نمبر

اس شمارے میں اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید کے بارے میں تحریریں جمع کی گئی ہیں۔قرآن مجید پر جتنا لکھا جا چکا ہے یا لکھا جا رہا ہے یا لکھا جائے گا، انسان اس الٰہی پیغام کا کماحقہ احاطہ نہ کر پائے گا۔قرآن مجید کو سمجھنے کی یہ تڑپ انسانی ذہن کو ہمیشہ تر و تازہ رکھے گی۔نثر و نظم میں معارف قرآن کا یہ مجموعہ دنیائے قلم و قرطاس میں اپنی انفرادیت سے پہچانا جائے گا۔

قرآن مجید ایک لازوال معجزہ ہے جسے پروردگار کائنات نے اپنی محبوب ترین ہستی اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے عام انسانوں تک پہنچایا ہے۔اب یہ اس انسان پر منحصر ہے کہ اپنی صلاحیت و وسعت سے کس قدر کام لیتا ہے اور اس اعجاز الٰہی کے معارف تک کس قدر رسائی حاصل کرتا ہے۔اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا نتیجہ بلاشبہ دنیا و آخرت کی کامیابی اور سرخروئی ہے۔

اس معجزہ الٰہی کی عدم تحریف پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے۔گذشتہ تمام صدیوں میں مسلمانوں نے اس کی تلاوت سے اپنے قلب و ذہن کو مہکایا ہے۔اسے اپنے حافظوں میں محفوظ کیا ہے۔اس کے کلمات سے اپنی تحریر و تقریر کو سجایا ہے، ہر زبان بولنے والے مسلمانوں نے اس کے خوبصورت الفاظ کو اپنی اپنی زبان میں برت کر اپنی زبانوں کو بھی وسعت عطا کی ہے۔شاعروں نے اس کے الفاظ اور آیات کو اپنی بندشوں میں سمویا ہے۔محفلوں میں اس کی وجد آفریں تلاوتوں نے جادوئی حلاوت پیدا کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اتحاد امت کے لیے قرآن حکیم سے بڑھ کر کوئی ملکوتی دستاویز ہے نہ کوئی حبل متین۔اسی قرآن کا پیغام ہے

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو۔

یہ قرآن مسلمانوں کو جوڑتا ہے، انھیں ایک امت و قوم بناتا ہے۔آگے بڑھنے کا راستہ دکھاتا ہے۔عالمی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرتا ہے۔انسانوں کے لیے مرکز خیر بننے کی دعوت دیتا ہے۔مسلمانوں کے اجتماع کو بھلائی کی ایک قوت میں تبدیل کر دیتا ہے۔طاغوت و شیطان کے خلاف کھڑا ہونے کا پیغام بھی دیتا ہے اور حوصلہ بھی۔

ماہنامہ پیام اس سے پہلے بھی قرآن حکیم کے حوالے سے کئی ایک خصوصی مجلّے شائع کر چکا ہے اور یہ ہمارے لیے ایک انمول سعادت سے کم نہیں۔پروردگار کا ہم پر احسان ہے کہ ہم قرآن حکیم کے معارف کو عام کرنے میں اپنی ناچیز کوششوں کو بھی شامل کریں۔ہم نے ایک مرتبہ پھر اس سعادت کے حصول کا ارادہ کیا ہے اور پیش نظر صفحات اسی ارادے کی عملی شکل کے طور پر آپ کے سامنے ہیں۔

قرآن مجید کے پانچ حقوق بیان کیے گئے ہیں۔یہ ایک عام مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ ان پر عمل کرے۔اس عمل سے ہی

معاشرہ، قرآنی معاشرے میں بدلنا شروع ہوتا ہے اور جو اس کتاب کی غایت اصلی ہے۔ ان حقوق کو عامۃ الناس کے لیے یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱) قرآن مجید پر ایمان لانا

۲) قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

۳) قرآن مجید کو سمجھنا

۴) قرآن مجید پر عمل کرنا

۵) قرآن کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانا۔

افسوس کہ ہمارے معاشرے میں عمومی طور پر قرآن پاک کے ظاہری احترام و اکرام کو تو ملحوظ رکھا جاتا ہے مگر عملاً اس کے احکام اور تعلیمات کو پامال ہوتے دیکھ کر کم ہی کسی کی رگ حمیت پھڑکتی ہے۔ قرآن پاک کے مقاصد نزول کو پس پشت ڈال دینے کا نتیجہ ہے کہ اسے تعویذ بنانے کے لیے استعمال کیا جا رہا۔ یا سین اور بقول علامہ اقبال کے

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بہ آیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری

یعنی: تو صوفی و ملا کی زنجیروں میں قید ہے قرآن کی حکمت سے زندگی حاصل نہیں کرتا۔ تجھے اس کی آیتوں سے اس کے سوا کوئی سروکار نہیں کہ اس کی سورہ یٰسین سے تو آسانی سے مر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا پاک و مبارک مہینہ رمضان اپنی تمام تر فیوض و برکات کو لیے ہوئے ایک بار پھر ہماری زندگیوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ ان نایاب گھڑیوں میں ہمیں اپنا وقت قرآن مجید کے حقوق ادا کرنے میں صرف کرنا چاہیے۔ قرآن سے تمسک اور اس کے معارف سے قربت پیدا کرنے کے لیے یہ خصوصی اشاعت ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس میں قرآن حکیم کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر علماء اور دانشوروں کے مقالات پیش کیے گئے نیز قرآن کریم کے حوالے سے بعض شعراء کی نظمیں اور اشعار بھی ان صفحات کی زینت ہیں۔ اس سلسلے میں بعض اساتذہ کرام کا وجد انگیز اور معنی خیز کلام خاص طور پر شامل اوراق کیا گیا ہے۔ امید ہے اس انتخاب کو اہل نظر پسند فرمائیں گے۔

والسلام
سید نثار علی ترمذی

مطالعہ قرآن مجید

ڈاکٹر محسن مظفر نقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ المتقین

پس منظر اور پیش منظر

اما بعد! قرآن مجید سے ہماری رفاقت پندرہ برس کی عمر سے شروع ہوئی۔ دینی تعلیم کا سفر جاری تھا اور درس کے علاوہ مطالعہ قرآن مجید کا شوق باقاعدہ تفاسیر کو پڑھنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ ہمارا گھرانہ علماء سے مملو تھا اور مکتب جعفریہ سے تعلق رکھنے کے باوجود مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے پاک تھا۔ ہم لوگ ملتان میں رہتے تھے جہاں والد مرحوم ادبی اور صحافتی حلقوں میں آج بھی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں روز نامہ جنگ کراچی اور روز نامہ جسارت دوسرے دن ملتان میں دستیاب ہوتے تھے۔ جنگ میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی تفسیر اور جسارت میں مولانا ابوالاعلی مودودی کی تفہیم القرآن قسط وار شائع ہوتی تھی۔ والد صاحب مرحوم اور ہم ان دونوں تفاسیر کے باقاعدہ قاری تھے۔ مولانا فرمان علی صاحب کا ترجمہ اور حاشیہ بر قرآن کریم ہر شیعہ گھرانے میں پہلے بھی ہوتا تھا اور آج بھی ہوتا ہے۔ گو کہ ہمارے زمانے میں عام افراد کے لیے دیگر تراجم و حواشی بھی موجود ہیں لیکن روایتی گھرانے مولانا فرمان علی مرحوم کے ترجمے اور حاشیے کو پسند کرتے ہیں۔

عربی زبان سے باقاعدہ واقفیت ظاہر ہے کہ دینی تعلیم کے حصول کے دوران ہو رہی تھی، درس مکمل طور پر عربی میں ہوتا تھا اور آج کی طرح تراجم دستیاب نہیں تھے۔ یہ بھی ایک نعمت تھی اللہ تعالی کی طرف سے، ورنہ طالب علم تراجم کے مطالعے میں ہی مصروف رہتا ہے۔ تفسیر جلالین مع شرح، اور تفسیر کشاف و بیضاوی کے کچھ اجزاء شامل درس تھے جن کی وجہ سے قرآن مجید کی زبان، طرز اور محاورے سے خوب واقفیت پیدا ہوتی تھی۔

قرآن مجید کی پہلی عربی تفسیر جس کا مطالعہ شروع کیا وہ علامہ طبرسی کی مجمع البیان تھی۔ اس کی متعدد وجوہ تھیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ مجمع البیان ایک شیعہ کے قلم سے نکلی ہوئی شاید واحد تفسیر ہے جس کی تعریف اہل سنت مفسرین نے بھی کی ہے۔ یہ بہت ہی متوازن تفسیر ہے۔ دوسرے یہ کہ صاحب مجمع البیان ہر دستہ آیات کی تفسیر میں معانی و بلاغت، نحوی مسائل، محاورے، لغت، اور اختلاف قراءات کو بیان کرتے ہیں۔ ان امور سے قرآن مجید کی ''زبان'' سے مناسبت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور لغات بھی حل

ہوتے رہتے ہیں، تیسرے یہ کہ آیات کی تفسیر کرتے وقت اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب احادیث سے استفادہ کیا ہے، چوتھے مرحلے میں آیات کی عمومی تفسیر بیان کی ہے۔ مجمع البیان بلا شبہ ایک متوسط، جامع اور قرآن سے قریب کرنے والی تفسیر ہے۔

تفسیر مجمع البیان کے بار بار مطالعے سے دیگر اہم تفاسیر اور ان کے مباحث کو سمجھنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے، یہ خصوصیت دوسری تفسیروں میں نہیں پائی جاتی۔ اس تفسیر کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد تمام مشہور تفاسیر کا مطالعہ کیا، جن کے حواشی اور شرحیں موجود ہیں وہ بھی 'متوازی' مطالعے میں رہیں۔ ان میں سے ہمیں سب سے زیادہ پسند تفسیر بیضاوی پر شہاب الدین خفاجی کا حاشیہ اور شرح ہے۔ اگر ان تفسیروں کا ذکر جو ہمارے زیر مطالعہ رہیں یا ہیں، ایک کے بعد ایک کرتے رہے اور ایک ایک صفحے کے تبصرے بھی کریں تو کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

قرآن مجید کا وہ کون سا پہلو ہے جس پر بے شمار کتابیں مختصر اور مطول موجود نہ ہوں گی۔ اللہ تبارک وتعالی نے توفیق دی اور ان کتابوں کی ایک بڑی تعداد، بلا کسی تعصب کے اپنے مطالعے کے لیے مہیا کی اور ان کا مطالعہ کیا، نوٹس لیے، دوسری تفاسیر اور کتابوں کے متعلقہ مباحث کی طرف وہیں اشارے کیے اور حاشیے لکھ دیے۔ اللہ کے فضل سے نئی تحقیقات اور مباحث کا بھی مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ یہی نہیں، انگریزی اور فارسی زبانوں میں جو کام ہوئے ہیں نیز ہو رہے ہیں، وہ بھی ہماری نظر سے نہیں چوکتے۔ ایں سعادت بہ زور بازو نیست، تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

بحر معانی قرآن کی غواصی کے دوران میں جو چند جرعے نصیب میں آئے ہیں تو ضمیر یہ تقاضا کر رہا ہے کہ کچھ نہ کچھ اس میں دوسروں کو بھی شریک کیا جائے لہٰذا چند سطریں گاہے بگاہے آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔ یہ کوئی تفسیر نہیں ہے اور نہ ہی اپنی بے بضاعتی کے باعث ہم اس کی جرأت کر سکتے ہیں۔ کوتاہیوں کے لیے اہل علم سے پیشگی معذرت خواہ ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی تفسیری خدمات

اس تحریر میں ہم مختصر طور پر امیر المؤمنینؑ کی تفسیری خدمات کا ذکر کریں گے۔ حضرت علی علیہ السلام کو دیگر صحابہ کرام پر علم کے معاملے میں جو فوقیت حاصل ہے اس کا اظہار خود صحابہ کرام نے بھی بار بار کیا ہے جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ حدیث نبی کریم (ص) أنا مدينة العلم وعلي بابها یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں ایک مسلم اور مقبول حدیث ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا فہم قرآن بھی اسی لیے سب سے بڑھ کر تھا کہ آپ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ پلے بڑھے تھے، جیسا کہ نہج البلاغہ کے خطبے سے واضح ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام پہلی وحی کے نزول کے گواہ بھی تھے۔ یہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں اولین نماز ادا کرنے والے بھی آپ ہی تھے۔ جب ہم امام علیؑ کی علمی سرگرمیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو آپ کی نظر میں بے حد اہمیت حاصل تھی اور آپ ہمیشہ لوگوں کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اس پر غور وفکر کرنے پر ابھارتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ قرآن مجید کی جمع آوری میں مشغول ہوئے اور چند دن میں آپ نے پورا قرآن مجید جمع کر کے امت کے سامنے پیش کر دیا تھا، روایت کے مطابق اس نسخے میں آیات کے ساتھ ساتھ توضیحی

الفاظ بھی موجود تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صحابہ کرام میں سے اُبی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم قرآن مجید کے علم میں فائق تھے اور ان سب سے زیادہ حضرت علی علیہ السلام کو قرآن کریم کا عالم مانا جاتا تھا۔ عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ علوم قرآنی میں میری اور علی کی مثال ایک قطرے اور سمندر کی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے علم سے لوگوں کو مالا مال کر دیا۔

اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب حدیث میں حضرت علیؑ سے مروی ومنقول روایات نقل ہوئی ہیں جو بعد میں کتب تفسیر کی زینت بنی ہیں۔ ان روایات میں یا تو امیر المؤمنینؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو روایت کرتے یا خود اپنی تشریح فرماتے ہیں جو بہر حال اس علم کا ثمرہ قرار دیا جاتا ہے جس کے لیے حضرت علیؑ نے فرمایا زقازقا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس طرح علم بھراتے تھے جیسے پرندہ اپنے چوزے کو بھراتا ہے۔ اسی طرح اپنے صحابی کمیل بن زیاد سے فرمایا ہے (یا کمیل) اِن ھاھنا لعلما جما۔۔۔ وأشار بیدہ إلی صدرہ۔۔۔ اے کمیل! اس سینے میں علم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اگر کوئی اس کو اٹھانے والا ملتا تو اسے انڈیل دیتا لیکن افسوس کہ امام عالی مقام سے اس قدر استفادہ نہیں کیا گیا جو کرنا چاہیے تھا یہاں تک کہ خطیب منبر سلونی کو حالت سجدہ میں زہریلی ضربت کا سامنا کرنا پڑا جس سے دو دن بعد آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔

حضرت علی علیہ السلام کی تفسیری روایات بے شمار کتب میں موجود ہیں، ان میں شیعہ اور غیر شیعہ دونوں قسم کے منابع شامل ہیں۔ ان سب کو ذکر کرنا تو ممکن نہیں لیکن چند اہم اسماء کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

ان میں الکافی، إحیاء الأحیاء، دعائم الإسلام، کنز العمال، مسند أحمد بن حنبل، سیوطی الجامع الصغیر، سیوطی کی الدر المنثور، تفسیر نور الثقلین، وسائل الشیعہ، مستدرک وسائل الشیعہ، مسند زید بن علیؑ، ابن کثیر کی فضائل القرآن، تفسیر البرھان لھاشم البحرانی، صدوق کی من لایحضرہ الفقیہ، تفسیر کبیر از فخر الدین الرازی، تفسیر العیاشی، تفسیر القمی، أمالی الطوسی، تفسیر الصافی، تفسیر مجمع البیان، تفسیر ابو الفتوح رازی، ابونعیم کی حلیۃ الأولیاء، بیھقی کی شعب الإیمان، بیھقی کی السنن الکبری، شھاب الدین آلوسی کی تفسیر روح المعانی، تفسیر الطبری، تفسیر ابن کثیر، ابن عادل حنبلی کی تفسیر اللباب فی علوم الکتاب، تفسیر زاد المسیر ابن الجوزی، تفسیر بغوی، اور بے شمار کتابیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ یہ چند نام ہم نے اس لیے ذکر کر دیے کہ جو حضرات مستقبل میں اس موضوع کو اپنی تحقیق کا مرکز بنانا چاہیں، ان کے لیے کارآمد ہوں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کی تفسیری روایت کے ضمن میں ہم دو کتابوں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتے ہیں (۱) مسند الامام علی علیہ السلام، یہ کتاب علامہ حسن قبانچی کی ہے جنھیں ۱۹۱۱ء میں بعثی انقلاب کی مخالفت میں گرفتار کیا گیا اور اس کے بعد سے پتہ نہیں کہ ان بزرگ پر کیا گزری، یہ کتاب ۱۳ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد میں صفحہ نمبر ۲۲۵ سے ۲۹۶ تک جب کہ دوسری جلد میں صفحہ نمبر ایک سے ۳۳۴ تک حضرت علی علیہ السلام کی تفسیری روایات جمع ہیں۔ (۲) بحار الانوار کی جلد ۹۳، مطبوعہ المکتبہ الاسلامیہ، ایران کا پہلا حصہ جو صفحہ نمبر ایک سے ۱۴۵ پر مشتمل ہے امام علی علیہ السلام کے انتہائی قیمتی بیانات پر مشتمل ہے جو علاحدہ سے تحقیقات کا متقاضی ہے۔ یہ اختصار ہے تفصیل پھر کسی موقع پر لکھیں گے۔

تدوین وحفاظتِ قرآن: مختلف استشراقی نظریات کا ناقدانہ جائزہ

ڈاکٹر محمد شہباز منج
شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا

An analytical study of different: Orientalism on the compilation of the Quran views

Abstract: This paper studies orientalistic approaches towards the preservation and compilation of the Quran. It has been claimed by a number of western scholars and orientalists that the present Quran is not identical with that of offered by Muhammad to his followers.it was compiled by Muhammad's companions belatedly after his death. In the process of compilation Quran lost its originality. But this claim was challenged by number of orientalists themselves. They asserted that Quran was compiled and preserved in the Prophet's time and immediately after his death, compiled in a codex by his companions. Analytical study of these two positions reveals that the aforesaid stance is based on prejudice or unawareness about the textual history of the Quran. In fact, Quran is revealed by Allah Almighty and completely conserved .without even minor disruption.

Keywords: Compilation and preservation of the Quran, different views of orientalists, not Identical with the original, same and identical.

قرآن کے حوالے سے، مستشرقینِ مغرب کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ قرآن نہیں ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھا؛ یہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہا؛ مرورِ زمانہ سے اس میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تحریر نہیں ہوا تھا، حضو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کو مرتب و مکمل شکل میں پیش کرنے میں ناکام رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے جانشینوں نے اسے مرتب و مدون کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ متعدد مستشرقین نے ان خیالات کی تردید کی اور ثابت کیا ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش فرمایا؛ مرورِ زمانہ سے اس میں

تحریف وتبدیلی نہیں ہوئی؛ اس کی حفاظت وتدوین میں بہت احتیاط ملحوظ رہی۔ ذیل کی سطور میں ان مختلف استشراقی نظریات کا مطالعہ وجائزہ مطلوب ہے۔

عہدِ نبوی میں عدمِ کتابتِ قرآن

تدوین وحفاظتِ قرآن سے متعلق مستشرقین کے دعاوی میں سے ایک دعویٰ یہ ہے کہ قرآن آں جناب ﷺ کے عہد میں تحریر نہیں ہوا تھا۔ آرتھر جفری

(Arthur jeffery,1892-1959) کے مطابق حضرت محمد ﷺ تحریری مواد جمع کرتے، اس کی چھان پھٹک کرتے اور اسے ایک مرتب کتاب کی شکل دینے کے لیے اس پر نظر ثانی کرتے رہے، تاکہ وہ اسے اپنی کتاب کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں، لیکن اس منصوبہ کی تکمیل سے پہلے ہی آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا؛(1) آج قرآن میں جو کچھ موجود ہے وہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ کے پیروکاروں کے جمع کردہ اس مواد کا نام ہے، جسے آپ کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کیا گیا۔(2) جفری نے بیل اور ٹوری کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

"Recent research by Dr. Bell of Edinburgh and Prof. Torrey of Yale has suggested that there is internal evidence in the Quran itself that the prophet kept in his own care a considerable mass of revelation material belonging to various periods of his activity, some of it in revised and some of it in unrevised form, and that this material was to form the basis of the Kitab he wished to give his community before he died. Death, however, overtook him before anything was done about the matter".(3)

آربری (Arthur john Arberry,1905 - 1969) کے مطابق قرآن عہدِ نبوی میں لکھا ہوا موجود نہیں تھا اگر کچھ لکھا ہوا بھی تھا تو منتشر اور جزوی طور پر یا لوگوں کے حافظوں میں تھا۔(4)

عہدِ نبوی میں کسی سرکاری نسخے کی موجودگی کی تردید کرتے ہوئے مارگولیتھ (David Samuel Morgoliouth,1858 - 1940) لکھتا ہے:

" One fact that emerges from a study of our authorities is that the prophet kept no official copy of his revelation".(5)

مارگولیتھ صرف عہدِ نبوی ہی میں کسی سرکاری نسخے کی موجودگی کا انکار نہیں کرتا بلکہ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس میں شامل اپنے مقالے میں عہد صدیقی بلکہ 86ھ تک کسی متفقہ نسخے کے تیار ہو سکنے کی تردید کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے لوگوں کو قرآن لکھنے سے منع کر دیا تھا؛ نیز اگر کچھ لکھا بھی گیا تو وہ حضور ﷺ کے صحابہ نے لکھا تھا؛ صحابہ کے تحریر کردہ سارے

مواد کو ملا لیا جائے تو بھی پورا قرآن نہیں بنتا۔ وہ قرآن کے لکھے جانے سے متعلق ابن سعد، طبری اور بخاری وغیرہ کی روایات کو مشکوک اور ناقابلِ اعتبار قرار دیتا ہے۔(6) جان برٹن (John Burton، پیدائش 1929ء) نے تاریخِ جمع وتدوینِ قرآن پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عہدِ نبوی میں قرآن کی ترتیب وتحریر کیونکر ممکن ہوسکتی تھی، جب کہ اس وقت تک قرآن ابھی مکمل طور پر نازل ہی نہیں ہوا تھا! برٹن کے خیال میں مسلمان جمع قرآن سے متعلق تمام تر اختلافات کے باوجود اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کو جمع کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تھے۔ اس کے نزدیک 'منسوخ التلاوۃ موجود فی الحکم' قسم کے نسخ کی موجودگی میں اس بات کا کوئی قطعی ثبوت نہیں کہ کسی بھی مسلمان کے پاس وہ قرآن موجود ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا تھا۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نسخ کی وجہ سے قرآن کے کئی حصے ختم کر دیئے گئے تھے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو قرآن اس وقت تک لکھا گیا تھا، مکمل نہ تھا۔ وہ قرآن کی عدمِ محفوظیت اور عدمِ تکمیل کے سلسلے میں اپنے دعوے کی تائید میں جنگ یمامہ کے بعد حفاظ قرآن کے اٹھ جانے سے قرآن کے کچھ حصوں کے ضائع ہوجانے کا خدشے کا ذکر بھی کرتا ہے۔ وہ زید بن ثابت کے تیار کردہ نسخے کو نامکمل قرار دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتھیوں کی تعداد کم تھی تو قرآن لکھنے کی زحمت ہی نہیں کی گئی اور جب ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو قرآن کو حافظوں میں محفوظ کرنا شروع کر دیا گیا۔ لیکن گوناگوں جنگی مصروفیات کی وجہ سے یاداشتوں کا بہت سا حصہ ذہنوں سے محو ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ آیات سے متعلق اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کئی ایک آیات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی بھول گئے۔ کئی آیات کو اختصار کی غرض سے بدل ڈالا گیا۔ کئی آیات منسوخ ہوگئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں خود ہی کاٹ ڈالا۔ برٹن کی تحقیقات کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کی محفوظیت اور ترتیب وتدوین کے الہامی انتظامات کا دعویٰ باطل ہے۔ اور قرآن اس طرح ہرگز محفوظ ومرتب نہیں ہے جس طرح کہ مسلمان سمجھتے ہیں۔(7) مستشرقین نے عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی کے نسخوں کو بھی نامکمل اور غیر معیاری قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جیفری عہدِ صدیقی میں کسی مکمل نسخے کی تیاری کا قطعی انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عہد صدیقی کے دوران اور مابعد مصحف صدیقی کے علاوہ دیگر نسخے رائج رہے، جس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ مصحف صدیقی بھی دیگر نسخہ جات کی طرح ایک ذاتی نوعیت کا نسخہ تھا اور ذاتی نوعیت کے سارے نسخے نامکمل تھے، اور نتیجہ یہ کہ قرآن نامکمل تھا۔(8) مستشرقین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مصحفِ عثمانی سے قبل قرآن کا کوئی معیاری نسخہ موجود نہیں تھا اور مصحفِ عثمانی چونکہ مصحفِ صدیقی کی نقل تھا، اس لیے مصحف عثمانی بھی اصلی قرآن نہیں۔

موجودہ ترتیب حضور کی مقرر کردہ نہیں

مستشرقین کے نزدیک قرآن کی موجودہ ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقرر کردہ نہیں بلکہ مصحفِ عثمانی میں موجود ترتیب اس اصول کے تحت سامنے لائی گئی کہ لمبی سورتیں پہلے اور چھوٹی بعد میں رکھ دی گئیں۔ آربری کے الفاظ میں:

"In the vulgate the general procedure is to arrange the suras roughly in order of their length, beginning with longest and ending with the shortest". (9)

بعض مستشرقین کا کہنا ہے قرآن کو مرتب کر سکنا ممکن ہی نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی قرآن کو آگے پیچھے اور خلط ملط کر ڈالا ہے۔ ان کے نزدیک حضرت زید نے ان سارے امکانات کو ختم کر ڈالا جن کی مدد سے قرآن کو ترتیبِ نزولی کی بنیاد پر مرتب کیا جا سکتا تھا۔ انھوں نے قرآن کے متفرق اجزا کو جمع کر دیا اور کسی اصول کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا۔ جوں جوں انھیں ٹکڑے ملتے چلے گئے وہ لکھتے چلے گئے۔ مضامین کے تسلسل کا لحاظ رکھا گیا اور نہ ہی اسلوب کی ہم آہنگی کا۔(10)

قرأت قرآنیہ: مختلف ایڈیشنز

مستشرقین قرأتِ قرآنیہ پر معترض ہوتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بائبل کے مختلف ایڈیشنز (versions) کی طرح قرآن کی مختلف قرأتیں بھی اس کے مختلف ورژنز (versions) ہیں۔ جارج سیل قرآن کی سات قرأتوں کو اس کے سات ایڈیشنوں سے تعبیر کرتا ہے۔(11) اختلاف قرأتِ قرآنیہ کے حوالے سے قرآن پر نقد میں میں سب سے نمایاں نام آرتھر جیفری کا ہے۔ اس نے تفسیر، لغت، ادب اور قرأت کی مختلف کتابوں سے قراءت کے اختلافات جمع کر کے بزعم خود چھ ہزار ایسے مقامات کی نشاندہی کی جو مصحفِ عثمانی سے مختلف تھے۔ اس نے اسلامی علوم کے ورثے میں سے مختلف قرأتوں کی بنیاد پر 15 بنیادی اور 13 ثانوی نسخہ جات پیش کرنے کی کوشش کی، جو اس کے نزدیک مصحفِ عثمانی کے مقابل نسخہ جات کی حیثیت رکھتے تھے۔(12) اس کا کہنا ہے کہ مصحف عثمانی کی تیاری کے لیے نامزد کی گئی کمیٹی نے دیگر نسخہ جات میں پائے جانے والے مواد کو نظر انداز کرتے ہوئے بہت سا ایسا مواد قرآن میں شامل کر دیا، کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتاب کو حتمی شکل دینے کا موقع ملتا تو وہ اس مواد کو ہرگز شاملِ قرآن نہ کرتے۔(13) جیفری مسلمانوں کے اس تصور سے سخت اختلاف ظاہر کرتا ہے کہ قرأتوں کا اختلاف محض لہجوں اور تلفظ کا معمولی اختلاف ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود کے مسودہ ہائے قرآنی میں سے مختلف قرأتوں کا جو بھاری ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ درحقیقت متن کا اختلاف ہے۔(14)

کمزوری اور تغیر و تبدل پذیری

مستشرقین قرآن کو کمزور اور تغیر و تبدل پذیر ثابت کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بعض عباراتِ قرآنی کی قرآن میں موجودگی اور بعض کی عدم موجودگی کی بحث بھی چھیڑتے ہیں۔ اس ضمن میں "شیطانی آیات" کو قرآن کا حصہ اور فاتحہ و معوذتین کو قرآن سے خارج باور کرانے کی کوشش قابلِ ذکر ہے۔ واٹ شیطانی آیات یا غرانیق العلی کو حقیقت باور کراتے ہوئے لکھتا ہے:

" At some times Muhammad must have recited as part of the Quran certain verses which apparently permitted intercession to idols…this is a strange and surprising story. The prophet of the most uncompromisingly monotheistic religion seems to be authorizing polytheism. It is unthinkable that anyone should have invented such a story and persuaded the vast body of Muslims to accept it. Moreover there is a passage in the Qur'an which

describes something of this kind".(15)

سورہ فاتحہ اور معوذتین کی قرآنیت کو رد کرتے ہوئے مستشرقین ان کی قرآنیت کے ثبوت میں وارد شدہ معتبر روایات سے تو کچھ تعرض نہیں کرتے لیکن اس کمزور وضعیف روایت سے نہایت شد و مد سے استشہاد کرتے ہیں جس میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ مذکورہ سورتوں کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ رچرڈ بیل لکھتا ہے کہ ابن مسعود معوذتین کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے، البتہ سورہ فاتحہ سے متعلق یہ یقین نہیں ہے کہ وہ اسے قرآن کا حصہ سمجھتے تھے یا نہیں۔(16) آرتھر جیفری سورہ فاتحہ کو قرآن سے نکالنے کے لیے عجیب استدلال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

......" in it man is addressing God whereas in the Quran proper it is always God addressing man".(17)

مذکورہ نظریات پر استشراقی تنقیدات

قرآن کی حفاظت اور ترتیب وتدوین سے متعلق مذکورہ بالا اعتراضات کے ساتھ بہت سے مغربی اہل قلم ایسے بھی ہیں جنھوں نے ان استشراقی افکار ونظریات کی تردید کی اور واضح کیا ہے کہ قرآن اپنی اصلی حالت میں موجود ہے؛ اسے حضور ﷺ نے خود لکھوایا تھا؛ اس کی ترتیب وتدوین بعد کے زمانوں میں نہیں بلکہ ابتدائی دور ہی میں ہوگئی تھی؛ اس میں تغیر وتبدل اور کمی بیشی کا دعویٰ باطل ہے۔ ان مغربی اہلِ قلم میں بیسویں صدی کے اہلِ قلم کا نمایاں حصہ ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کا پروفیسر فریڈ ایم ڈونر (Fred McGraw Donner، پیدائش 1945) قرآن کی داخلی شہادتوں کی بنیاد پر اس کی بعد کے زمانوں میں تدوین کے نظریے کو رد کرتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے کہ قرآن ابتدائی دور ہی میں مدون ہوگیا تھا، لکھتا ہے:

".....the ''late origins'' hypothesis fails to explain many features of the Qur'an text, analysis of which suggests that in fact the Qur'an did coalesce very early in the history of Muhammad's community with in no more than three decades of Muhammad's death. For example, meticulous study of the text by generations of scholars has failed to turn up any plausible hint of anachronistic references to important events in the life of the later community, which would almost certainly be there, had the text crystallized later than the early seventh century C.E''.(18)

قرآن کے عہدِ نبوی میں تحریر ہوجانے کی تائید کرتے ہوئے یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا کا علومِ اسلامیہ کا پروفیسر کارل ارنسٹ لکھتا ہے:

"The revelations that he delivered seem to have been written down, in part, during his lifetime, although the accounts that we have also take for

granted an amazing capacity for oral memorization among the Arabs".(19)

کارل ارنسٹ نے جمع وتدوین قرآن سے متعلق ان عام اسلامی روایات کو تائیداً نقل کیا ہے جن میں قرائے کرام کی شہادت کی بنا پر قرآن کو مختلف اشیا سے اوارق پر منتقل کرنے اور بعد ازاں عہدِ عثمانی میں اختلاف کے خدشے سے بچنے کی غرض سے معیاری سرکاری نسخے کی تیاری اور بقیہ کو تلف کردینے کا ذکر ہے۔اس کا کہنا ہے:

"According to the standard account, Muhammad's successorsbecame concerned over the preservation of the Qur'an after several notable memorizers of the text died in battle. Verses that had been preserved written on branches, on stone, and on thehearts of men are said to have been copied out on sheets. Nevertheless,it eventually became apparent that different copies ofthe Qur'an contained noticeable variations. This caused'Uthman, the third caliph(who ruled 64452C.E. (to establish an authoritative version of the text, and he ordered the destructionof all other copies.(20)

متن قرآنی کے معمولی اختلافات،جن کی بنا پر مغرب قرآن میں تغیر وتبدل کا طوفان اٹھاتا ہے،کا اگر بائبل کے اختلافات سے تقابل کر کے دیکھا جائے تو قرآن کی حفاظت وتدوین کے حوالے سے روا رکھی گئی غیر معمولی احتیاط کی قدر معلوم ہوتی ہے۔کارل ارنسٹ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا ہے:

"Commentariesand other scholarly writings, in fact, preserve many minor variations on the received Qur'anic text. How significant arethese variations?If one looks to the history of biblical texts incomparison, it is significant that among the 5,000 surviving manuscripts of the Greek New Testament, no two are identical. For the most part, the differences are in significant verbal variations that are easily understood as by-products of the scribal process of copying. Occasionally, however, there aremanuscripts in which copyists have made deliberate changes to important words that had implications for religious debates within the early Christian Church".(21)

کارل ارنسٹ نے بعض مسلم فرقوں بالخصوص بعض اہلِ تشیع کی طرف سے قرآن کے کچھ حصوں کے ضائع ہوجانے کے نظریے کو بھی رد کیا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ حقائق اس کی تصدیق نہیں کرتے؛ آج کے دور میں اس نظریے کی تائید میں کوئی ایک بھی سنجیدہ دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔اس کے الفاظ ہیں:

"Although there were some early sectarian groups, particularly

among theShi‘is, who alleged that certain important revelations had beensuppressed, it is almost impossible to find any serious arguments in favor of this thesis today”.(22)

قرآن کی محفوظیت ،اس کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آئندہ نسلوں کو بلا کسی ذرا سی تبدیلی کے منتقل ہونے ،تمام اہل اسلام کے اس کی صحت پر متفق ہونے اور اس کی موجودہ ترتیب کے بعینہ آں جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے ولیم میور(William Muir, 1819 -1905) نے لکھا ہے کہ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حفاظ کے سینوں اور مختلف لکھے ہوئے اجزا کی شکل میں موجود تھا۔عہدِ عثمانی میں زید بن ثابت نے قرآن پر جس طرح نظر ثانی کی وہ نہ صرف حرف بحرف صحیح ہے بلکہ اس مدون کرنے کے موقع پر جو اتفاقات جمع ہو گئے تھے،ان کی رو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں کوئی آیتِ وحی اوجھل ہو سکی اور نہ ہی جامعین نے از خود کسی آیت کو قلم انداز کیا۔بس یہی قرآن ہے جسے شارع نے پوری دیانت و امانت کے ساتھ دوسروں کو سنایا۔مسلمانوں کے تمام فرقے موجودہ قرآن کی صحت و صداقت پر متفق رہے ہیں۔موجودہ قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے جو حضرت زید لکھ کر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالمواجہ آپ کو سنایا کرتے تھے۔(23)

قرآن کے انتہائی صحت و صیانت کے ساتھ آگے منتقل ہونے کو حقیقت مانتے ہوئے ایک مستشرق روڈی پیرٹ (Rudi Paret) کہتا ہے کہ ہمارے لیے یہ یقین رکھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی بھی ہے جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مروی و منقول نہیں۔(24)

منٹگمری واٹ اقرار کرتا ہے کہ قرآن عہد نبوی ہی میں لوگوں کی یادداشتوں اور تحریرات میں محفوظ تھا اور قرآن کا غالباً اکثر حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی زندگی میں لکھا جا چکا تھا۔وہ لکھتا ہے:

“For over twenty years, until the end of his life, Muhammad continued to receive such revelations at frequent intervals. He and his followers memorized them, and they were repeated in ritual worship or prayer which he introduced. Most of them were probably written down during Muhammad’s lifetime”.(25)

قرآن کے حضور کے صدیوں بعد مدون ہونے اور اس کی موجودہ ترتیب کے حضور سے ثابت نہ ہونے کا استشراقی تصور واٹ کے ان الفاظ سے بھی باطل قرار پاتا ہے:

“It seems likely that to a great extent that the Suras or chapters of the Quran were given their present form by Muhammad himself but the final ‘collection’ of all the passages of revelation and the assignment of their present order in the Quran took place shortly after 650or about twenty years

after Muhammad's death".(26)

تدوین وحفاظتِ قرآن پر بحث کا جائزہ

تدوین وحفاظتِ قرآن سے متعلق عام استشراقی نظریات کی خود مستشرقین کی طرف سے کی گئی تردید سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی حضور ﷺ سے قرنوں بعد تدوین وترتیب، آپ ﷺ سے صحت وصیانت کے ساتھ منقول نہ ہونے اور اس میں تحریف وتبدیلی اور اختلافات کے راہ پاجانے کا مغربی واستشراقی نظریہ باطل ہے۔ درج ذیل نکات سے یہ حقیقت اور نکھر کر سامنے آجائے گی:

قرآن حضور ﷺ کے زمانے میں لکھا اور محفوظ کیا گیا

قرآن کی حفاظت وتدوین سے متعلق حقیقتِ واقعہ جاننے کے لیے چند حقائق پیش نگاہ رہنا چاہییں۔ اولاً زمانہ نزولِ قرآن میں جزیرہ عرب میں خواندگی کی شرح وہ نہ تھی جس کا مشاہدہ ہم دورِ حاضر میں کررہے ہیں۔ عربوں کی اکثریت نوشت وخواند کے فن سے ناآشنا تھی، لیکن ان میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، گو ان کی تعداد بہت کم تھی۔ ثانیاً آج کسی کلام کی حفاظت کے دیگر ترقی یافتہ ذرائع بھی موجود ہیں لیکن زمانہ نزولِ قرآن میں صورت حال یہ نہ تھی۔ عرب ابھی فن طباعت ہی سے ناآشنا تھے اور کاغذ کی جگہ چمڑے کی جھلیوں، ہڈیوں اور پتھروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ ثالثاً عربوں کے مشہور شعرا سینکڑوں اشعار پر مشتمل قصیدے کہتے تھے؛ ان قصیدوں کو وہ اپنا قومی سرمایہ سمجھتے تھے، اس لیے ان کی حفاظت کا بھی خصوصی انتظام کیا جاتا تھا۔ لیکن ان قصیدوں کی حفاظت قلم وقرطاس کے ذریعے نہیں بلکہ سینوں میں محفوظ کرکے کی جاتی تھی۔ رابعاً قرآن حکیم یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے کئی سال کے عرصے میں نازل ہوا۔ ان حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا قرآن کی ابتدائی حفاظت وصیانت کے اہتمام پر نگاہ ڈالیں تو مستشرقین کے اس الزام کی حقیقت معلوم ہوجائے گی کہ قرآن حضور ﷺ کے زمانے میں لکھا اور محفوظ نہیں کیا گیا تھا۔ اوپر مذکور حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ نبوی میں کلام کو محفوظ کرنے کے دو ہی ذریعے تھے: ایک یہ کہ اسے زیادہ سے زیادہ انسانوں کے سینے میں محفوظ کردیا جائے اور دوسرے یہ کہ لکھنے کے لیے پتھر، کھجور کے پتے، ہڈیاں اور چمڑے کے ٹکڑے وغیرہ جو چیزیں بھی میسر آئیں کلام کو ان چیزوں پر لکھ لیا جائے اور لکھنے کے لیے ان لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو فنِ کتابت کے ماہر ہوں۔ قرآن کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے ایک غیر جانبدار محقق یہ تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے گا کہ قرآن کی حفاظت میں مذکورہ دونوں طریقوں سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ مستشرقین کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی قرآن کو موجودہ شکل میں پیش کرنے اور محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا لیکن جو شخص سورہ طہٰ کی آیت:

وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡكَ وَحۡیُهٗ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا۔(27)

اور جب تک اس کی وحی پوری نہ ہوجائے قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجیے اور کہیے! اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

اوراس کے پس منظر پر نگاہ ڈالے گا تو اس پر یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو جائے گی کہ آں حضور ﷺ قرآن کو محفوظ کرنے کے بارے میں کتنے سنجیدہ تھے۔ آپ جبریلِ امین کی قراءت کے ساتھ ساتھ جلدی سے قرآن حکیم کو پڑھنے کی کوشش کرتے تا کہ آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہو رہی ہے وہ حفظ ہو جائے اور اس میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آیتِ محولہ کے ذریعے حضور ﷺ کو حفاظت قرآن کے ایک وسیلہ کے طور پر رب زدنی علما کی دعا تعلیم فرما دی اور پھر سورہ القیامہ کی آیات:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (28)

قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے۔ اس کو جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ سو جب ہم پڑھ لیں تو اس کی قراءت کا اتباع کیجیے۔ پھر اس کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔

کی رو سے تسلی بھی دے دی کہ آپ کی طرف جو وحی آ رہی ہے اس میں سے کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہیں، لہذا آپ تسلی رکھیے اور جبریل کے قراءت سے فارغ ہونے تک کا انتظار کیا کیجیے۔ اس کے بعد بقول مصطفیٰ شلبی حضور جبریل امین کے قراءت ختم کرنے کا انتظار فرماتے، پھر آپ اسی طرح خود پڑھتے جس طرح جبریل امین نے پڑھا ہوتا۔ حضرت جبریل کے واپس چلے جانے کے بعد آپ نازل شدہ آیات صحابہ کرام کو پڑھ کر سناتے تا کہ وہ اس کلامِ خداوندی کو حسنِ ترتیل کے ساتھ پڑھ سکیں۔ پھر آپ کچھ کاتبینِ وحی کو طلب فرماتے تا کہ وہ نازل شدہ آیات کو لکھ لیں، اسی طرح جب بھی قرآن حکیم کی کچھ آیات نازل ہوتیں صحابہ کرام انھیں یاد کرتے؛ لکھنے کے کام آنے والی جو چیز بھی مثلاً کھجور کے پتے، پتھر کی سلیں، کندھوں کی ہڈیاں اور چمڑے کے ٹکڑے، میسر آتی اس پر انہیں لکھ لیتے۔ پھر یہ مکتوب حضور ﷺ کے کاشانۂ اقدس میں رکھ دیا جاتا۔ یہ کام اسی طرح جاری رہا حتیٰ کہ نزولِ قرآن کا سلسلہ مکمل ہو گیا۔ (29) ڈاکٹر موریس بکائی کے نزدیک قرآن کی اندرونی شہادت ہی سے ظاہر ہے کہ قرآن عہدِ رسالت ہی میں تحریری شکل میں آ گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن کے عہدِ رسالت میں تحریر ہو جانے کے متعدد دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے مومنوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی تھی کہ وہ قرآن کو زبانی یاد کریں۔ چنانچہ لوگ اگر پورا قرآن یاد نہ کر سکتے تو قرآن کا اتنا حصہ ضرور یاد کر لیتے جو نمازوں میں قراءت کے لیے ضروری ہوتا، تاہم ایسے حفاظ کی بھی ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کو پورا قرآن حفظ تھا۔ یہ حفاظ قرآن کو دور افتادہ مقامات پر پھیلانے کا اہتمام کرتے تھے۔ یوں آں حضور ﷺ کے عہد میں متن کو حفظ اور تحریر دونوں طریقوں سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا گیا اور یہ اہتمام محفوظت قرآن سے متعلق انتہائی فائدہ مند ثابت ہوا۔ (30) اس طرح حفظ قرآن سے متعلق عہدِ نبوی میں کی جانے والی ثابت شدہ تاریخی کاوشوں کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن عہدِ نبوی میں مکمل صورت میں حفاظ کے سینوں اور متعدد مقامات پر کتابت شدہ شکل میں موجود تھا۔

مصحف کی شکل میں تدوین

عہدِ نبوی میں قرآن گو سینوں اور سفینوں میں مکمل طور پر موجود تھا تاہم وہ ایک مصحف کی شکل میں مدون نہیں ہوا تھا۔ یہ

کام خلفاے راشدین کے عہد میں ہوا۔ اس سلسلے میں عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی میں جو کاوشیں ہوئیں اور جس طرح آں حضور ﷺ سے منقول قرآن حکیم کو کسی شمہ بھر ردوبدل کے بغیر مصحف کی شکل دی گئی وہ تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ تفصیل کی گنجایش نہیں مختصر طور پر خلفاے راشدین کے زمانے میں تدوین قرآن کے حوالے سے ملحوظ رکھی گئی احتیاط سے متعلق موریس بکائی کا بیان دیکھ لیجیے: حضور کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر کی تحریک پر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سابق کاتبِ اعلیٰ حضرت زید بن ثابت کو قرآن کی ایک نقل تیار کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے کام انجام دینا شروع کیا اور اس سلسلہ میں جتنی بھی معلومات فراہم ہو سکتی تھیں، حاصل کیں۔ حفاظ کی شہادت، مختلف چیزوں پر قرآن کی نجی طور پر لکھی ہوئی نقلیں ہر چیز سے مدد لی گئی تاکہ قرآن کی نقل کرنے میں ہر قسم کی غلطی سے بچا جا سکے۔ اس احتیاط سے قرآن نقل کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی ایک بے انتہا قابلِ اعتماد نقل تیار ہو گئی۔ یہ نقل خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہی اور انھوں نے اپنی رحلت کے وقت اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دی۔ خلیفہ ثالث کے عہد میں عہد صدیقی کے معیاری نسخہ کے مطابق ماہرین کی خصوصی جماعت کے ذریعہ قرآن کا وہ نسخہ تیار کیا گیا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام درج ہے۔ ماہرین کی جماعت نے اس شہادت کی صداقت کی جانچ پڑتال کی جو حضرت ابوبکر کے سامنے پیش ہوئی تھی اور جو اس وقت حضرت حفصہ کی تحویل میں تھی۔ اس جماعت نے متن کے حافظ مسلمانوں سے مشورہ کیا اور متن کی صحت کا نہایت سختی سے تنقیدی تجزیہ کیا گیا۔ یوں نہایت احتیاط اور اتفاقِ رائے کے ساتھ مصحفِ صدیقی کے مطابق مصحفِ عثمانی کی تیاری عمل میں آئی۔ مصحفِ عثمانی کی تیاری کی ضرورت یہ تھی کہ اسلام کے غیر عرب قوموں میں پھیل جانے کی بنا پر اختلاف کے خدشے سے محفوظ رہا جائے اور متن کی ابتدائی صحت میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ (31) الغرض عہد نبوی سے لے کر عہد عثمانی تک قرآن کی حفاظت اور جمع و تدوین کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے اور قرآن نہایت حفاظت و صیانت کے ساتھ بغیر کسی ذرا سی تبدیلی کے ہم تک پہنچ گیا۔

ترتیبِ قرآنی بروے ہدایت ربانی

جہاں تک ترتیبِ قرآنی کا تعلق ہے تو اس ضمن میں حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی سورتوں اور آیات کی موجودہ ترتیب خود حضور ﷺ نے ہدایت خداوندی کے مطابق دی تھی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ شلبی لکھتے ہیں کہ جبریل امین جب وحی لاتے تو حضور کو یہ بھی بتا دیتے کہ ان آیات کی جگہ کونسی ہے، تاکہ حضور ﷺ قرآن حکیم کی تلاوت اس ترتیب کے مطابق کریں جو ارادہ خداوندی کے مطابق ہے، جس ترتیب سے قرآن حکیم لوح محفوظ میں مدون ہے نہ کہ ترتیب نزولی کے مطابق۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور ﷺ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ کاتبینِ وحی سے فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورہ میں فلاں فلاں آیات کے درمیان رکھو۔ پھر حضرت جبریل ہر سال رمضان کی راتوں میں حضور ﷺ کے ساتھ نازل شدہ قرآن کا دور کرنے کے لیے اترتے؛ پہلے حضرت جبریل امین پڑھتے پھر حضور اسی ترتیب سے پڑھتے جس ترتیب سے حضرت جبریل امین نے پڑھا ہوتا۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ وہ سال آ گیا جس میں حضور نے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔ اس سال حضور ﷺ نے جبریل کے ساتھ دو مرتبہ قرآن حکیم کا دور فرمایا۔

جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری رمضان میں حضور اور جبریل امین کے درمیان قرآن کے دور کو سنا تھا انھوں نے خود بھی قرآن کو اسی ترتیب سے پڑھا اور دوسروں کو بھی اسی ترتیب سے پڑھایا۔ الغرض قرآن کی موجودہ ترتیب وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ حکمِ الٰہی مقرر فرمائی تھی اور صحابہ نے اسی ترتیب کے مطابق پڑھا اور حفظ کیا اور نمازوں میں تلاوت کیا کرتے اور اسی ترتیب کے مطابق اسے جمع کیا گیا۔ آیات کی ترتیب کے توقیفی ہونے پر علماے امت کا ہر زمانے میں اجماع رہا ہے۔(32) سورتوں کی ترتیب بھی جمہور علما کے نزدیک توقیفی ہے اور جن بعض لوگوں نے اسے صحابہ کے اجتہاد پر منحصر قرار دیا ہے محقق علما نے ان کی تردید کرتے ہوئے سورتوں کی ترتیب کو بھی توقیفی ثابت کیا ہے۔(33) لہٰذا قرآن کی موجودہ ترتیب کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نہ ہونے سے متعلق مستشرقین کا الزام حقائق کے سراسر خلاف ہے۔

اختلاف قرأتِ: لہجوں کا اختلاف

اختلاف قراءاتِ قرانیہ کی حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق قرآن حکیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سات حروف میں نازل کیا گیا۔ سات حروف سے مراد سات لہجے یا تلاوت قرآن کے سات مختلف طرق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے پہلے مجھے قرآن ایک حرف پر پڑھوایا؛ پھر میں نے بار بار ان سے اصرار کیا اور یہ مطالبہ کرتا گیا کہ قرآن مجید دوسرے حروف میں بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ وہ یہ اجازت دیتے گئے۔ یہاں تک معاملہ سات حرفوں تک پہنچ گیا۔(34) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت قرآن میں سہولت پیدا کرنے کے لیے مختلف بوڑھے، امی اور بدوی عرب قبائل کو ان کے اپنے لہجے میں تلاوت کی اجازت دے دی۔ اس اجازت کی بنا پر ابتداً قراءات میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ ہر قبیلے کے لوگ اپنے لہجے کے مطابق قرآن حکیم پڑھا کرتے تھے۔ مختلف طرق یا لہجوں کے مطابق قرآن کی تلاوت اس وقت تک جاری رہی جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی ایک قراءت کو سرکاری طور پر نافذ نہ کر دیا اور دیگر تمام قرأتوں اور لہجوں پر پابندی نہ لگا دی۔ حضرت عثمان نے صرف وہی قراءت باقی رکھی جو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت تھی۔(35) اختلاف قراءت کے سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ جو شخص بھی اسلام سے وابستہ ہوتا، خواہ امی ہوتا خواہ بدوی یا غیر عرب، سب کو اس کی تلاوت کا حکم تھا۔ حدیث سبعہ احرف اور دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم دیتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ جن لوگوں کو قرآن کا پیغام پہنچایا جا رہا ہو ان کے لیے وہ قابل فہم ہو۔ اس صورتحال میں یہ بات نہایت فطری محسوس ہوتی ہے کہ مختلف افراد کو ان میں سے ہر ایک کے مناسب حال قراءت کرنے یا مترادف الفاظ (جو سبعہ احرف کے ذیل میں آتے ہوں اور جن کی قراءت کی اجازت دی گئی تھی) استعمال کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ بہ طورِ خاص اسلامی تاریخ کے ابتدائی سالوں میں اس کی اجازت کی ضرورت اظہر من الشمس ہے۔(36) لہٰذا مختلف لہجوں میں قرآن پڑھنے کی یہ اجازت لوگوں کی سہولت کی غرض سے تھی اور اس زمانے میں یہ سب کو معلوم تھا کہ لہجوں کا یہ اختلاف معمولی نوعیت کا ہے اور ان کی بنا پر قرآن کے متن سے متعلق کسی اختلاف کا اندیشہ نہیں، کیونکہ لہجوں کے اختلاف سے قرآن حکیم کے مفاہیم میں کسی طرح کی کوئی

تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بقول زکریا ہاشم زکریا قرآن کو مختلف لہجوں کے مطابق پڑھنے کی اجازت ابتدائی دور سے متعلق ہے، جب نزول قرآن کا سلسلہ مکمل ہو گیا تو ایک کے علاوہ تمام لہجے منسوخ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت جبریل نے قرآن حکیم کا جو آخری دور کیا تھا، وہ ایک ہی لہجے کے مطابق تھا۔ البتہ اس ایک لہجے میں متواتر قراءاتوں کا احتمال موجود تھا۔(37) گو جبریل امین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآن حکیم کے آخری دور کے ساتھ ہی باقی مختلف لہجے منسوخ ہو گئے تھے، پھر بھی بعض لوگ عہد عثمانی تک مختلف لہجوں میں قرآن پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ آذربائیجان اور آرمینیہ کی جنگوں میں حضرت حذیفہ بن یمان نے اس سنگین صورت حال کا مشاہدہ کیا کہ لہجوں کا یہ اختلاف طویل بحثوں اور جھگڑوں کی شکل اختیار کرنے لگ گیا ہے اور وہ خلیفہ ثالث کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: **ادرک الامۃ قبل ان یختلفوا اختلاف الیھود و النصری۔** ''امت کی خبر لیجیے۔ اس سے پہلے کہ ان میں یہود و نصاری کا سا اختلاف ظاہر ہو جائے۔'' حضرت حذیفہ نے صورتحال کی جس سنگینی کا احساس کیا تھا دیگر صحابہ بھی اس کا احساس کر چکے تھے۔ اس صورتحال کا واحد حل یہ تھا کہ پوری امت مسلمہ کو قرآن حکیم کی لغتِ واحدہ پر جمع کر دیا جائے۔ یہ کام آسان نہ تھا کیونکہ ابتدائے اسلام ہی سے لوگ مختلف لہجوں میں قرآن پڑھتے آرہے تھے۔ مختلف صحابہ کے پاس قرآن کے جو مخطوطے محفوظ تھے وہ بھی ان کے اپنے اپنے لہجوں میں تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کروایا تھا وہ صرف ایک تھا اور صرف اس غرض سے تیار کروایا گیا تھا کہ حفاظ قرآن کے کثرت سے شہید ہونے کی وجہ سے قرآن کے کسی حصے کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ رہے، اس وقت یہ مقصد پیش نظر نہ تھا کہ تمام مسلمان مختلف لہجوں کو چھوڑ کر اسی مصحف کے مطابق قرآن حکیم کی تلاوت کریں۔ لہجوں کے اختلاف کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے حضرت عثمان نے دیگر صحابہ کے مشورے سے ''المصحف الامام'' کا تصور پیش کیا۔ مطلب یہ تھا کہ لغتِ قریش جس میں قرآن حکیم نازل ہوا تھا اس کے مطابق قرآن کا ایک نسخہ تیار کیا جائے اور ساری امتِ مسلمہ اسی نسخے کے مطابق قرآن حکیم کی تلاوت کرے اور قرآن حکیم کی کتابت، طباعت اور اشاعت سب اسی نسخے کے مطابق ہوں۔ اس عظیم منصوبے کے لیے آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ مصحف مبارک منگوایا جو حضرت صدیق اکبر کی نگرانی میں تیار ہوا تھا اور اس وقت حضرت حفصہ کے پاس محفوظ تھا۔ پھر آپ نے صحابہ کرام حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن عاص اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو منتخب فرمایا۔ ان حضرات میں سے حضرت زید کے علاوہ سب کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ آپ نے ان اصحاب کو حکم دیا کہ وہ مصحف صدیقی کی مدد سے قرآن کا ایک نسخہ تیار کریں اور اگر کسی لفظ پر حضرت زید اور تین قریشی اصحاب میں اختلاف ہو تو قریشی حضرات کی رائے کے مطابق لکھیں، کیوں کہ قرآن حکیم انھی کی لغت کے مطابق نازل ہوا ہے۔(38) ان حضرات نے خلیفہ ثالث کے ارشاد کی تعمیل کی۔ مصطفی شلبی کے مطابق ان حضرات کا اختلاف صرف ایک لفظ ''تابوت'' پر ہوا۔ حضرت زید کی رائے تھی کہ اسے ''ۃ'' سے یعنی ''تابوۃ'' لکھا جائے۔ جب کہ قریشی حضرات اسے ''ت'' سے یعنی ''تابوت'' لکھنے کے قائل تھے۔ معاملہ عثمان غنی کی خدمت پیش ہوا۔ آپ نے اسے ''ت'' سے یعنی ''تابوت'' لکھنے کا حکم دیا۔(39) اس کمال احتیاط سے جو نسخہ تیار کیا

گیا۔ اسے "المصحف الامام" کا نام دیا گیا اور پھر اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف علاقوں میں بھجوا دی گئیں۔ (40) یہ مصاحف لفظوں اور اعراب کے بغیر تھے اس لے ان میں ان تمام قراءاتِ متواترہ کا احتمال تھا، جو حضور ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی تھیں، بعد میں جب قرآن حکیم پر نقطے اور اعراب لگائے گئے تو ساری امت ایک ہی قراءت پر جمع ہو گئی اور آج ساری دنیا میں قرآن حکیم کی کتابت و ترتیل میں کسی ایک لفظ کے اختلاف کی نشاندہی کرنا ممکن نہیں رہا۔ آرتھر جیفری نے غیر مصدقہ نسخہ جات سے اختلافی قراءتیں نقل کر کے قرآن میں تحریف ثابت کرنے اور مصحف عثمانی کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جن روایات کی بنا پر وہ مصحف عثمانی کو مشکوک دکھانا چاہتا ہے ان کی اسناد خود اس کے اپنے بیان کے مطابق نامکمل اور غیر مستند ہیں۔ (41) یہ علم و تحقیق پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ مصحف عثمانی جو محکم و متواتر اسناد کے ساتھ مروی ہے؛ جس پر تمام صحابہ اور ساری امت مسلمہ متفق ہے، اسے وہ مقابل نسخہ جات پیش کر کے مشکوک بنانے کی کوشش کی جائے جو مصحف عثمانی کے نفاذ کے بعد خود ان حضرات نے واپس لے لیے تھے، جن کی طرف وہ منسوب کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر خود جیفری نے تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنا نسخہ مصحفِ عثمانی کے نفاذ کے بعد واپس لے لیا تھا۔ (42) مزید برآں یہ امر بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ صحابہ و تابعین میں سے جس کے نام سے بھی جیفری نے کوئی نسخہ منسوب کیا ہے ان میں سے کسی کے پاس بھی وہ نسخہ تحریری شکل میں موجود نہ تھا اور نہ ہی ان میں سے کوئی شخص ایسے نسخے کو قرآن حکیم کے مقابلے میں اپنے پاس رکھنے کا دعویدار تھا، مگر جیفری نے مصحف عثمانی سے کسی ایک یا چند مقامات پر اختلاف کی بنا پر ان اصحاب کو مقابل قرآن کا حامل بنا دیا؛ قطع نظر اس کے کہ اختلاف کرنے والے کو مصحف عثمانی کے نفاذ کے بعد اپنی قراءت پر اصرار رہا یا اس نے اس سے رجوع کر لیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جیفری جن نسخہ جات کو قرآن کے مقابل نسخہ جات کے طور پر پیش کرتا ہے، ان میں سے کوئی نسخہ بھی اب صفحہ ہستی پر موجود نہیں ہے۔ (43) جیفری نے خود اعتراف کیا ہے کہ ان نسخہ جات میں سے کوئی مناسب مواد باقی نہیں بچا جس کو پا کر ہم ان میں سے کسی نسخے کے متن کی صحیح شکل دیکھنے کے قابل ہو سکتے۔ (44) جیفری مصحف عثمانی کو غیر الہامی اور ارتقائی عمل کی انتہائی شکل قرار دینے کی دھن میں مصحفِ عثمانی کے مقابل مختلف قراءات اور نسخوں کو سامنے لاتے ہوئے اپنے اس اعتراف کو یکسر بھول جاتا ہے کہ ابن مسعود اور ابی ابن کعب سے منسوب اختلافی قرأتوں کے جانچنے کے بعد پروفیسر برجسٹراسر نے بجا طور پر یہ رائے قائم کی تھی کہ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص بھی ان نسخوں کو مصحفِ عثمانی کے مقابلے میں صحیح کہنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ (45) الغرض قرآن کے محفوظ و غیر محرف ہونے پر مستشرقین کے اعتراضات کسی ٹھوس علمی بنیاد پر مبنی نہیں۔ قرآن کی محفوظیت کا مقابلہ بائبل سے کرنے والوں اور قرآن کی مختلف قرأتوں کو اس کے مختلف ورژن قرار دینے والوں کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ کا خطبات بہاولپور میں وہ بیان چشم کشا ہے جس میں موصوف فرماتے ہیں کہ جرمنی کے عیسائی پادریوں نے انجیل کے یونانی مخطوطے جمع کر کے ان کا مقابلہ کیا تو ان کو دو لاکھ اختلافی روایات نظر آئیں۔ انجیل کے متعلق یہ صورت حال جان کر کچھ لوگوں کو قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا چناں چہ جرمنی ہی میں میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ "قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ" کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ

تھا کہ ساری دنیا سے قرآن کے قدیم ترین نسخے خرید کر، فوٹو لے کر جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ نسخے جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ 1933 میں جب میں پیرس یونیورسٹی میں تھا تو اس کا تیسرا ڈائریکٹر پریتشل (Pretzel) پیرس آیا تا کہ پیرس کی پبلک لائبریری میں موجود قرآن حکیم کے قدیم نسخوں کے فوٹو حاصل کرے۔ پروفیسر پریتشل نے مجھے شخصاً بتایا کہ اس وقت ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن کے بیالیس ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے کا کام جاری ہے، دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور اس کا کتب خانہ اور عملہ سب کچھ تباہ ہو گیا، لیکن جنگ شروع ہونے سے کچھ عرصہ پہلے ایک رپورٹ شائع ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام شروع کیا گیا تھا وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان بیالیس ہزار نسخہ جات میں کتابت کی غلطیاں تو موجود ہیں لیکن متن قرآن میں کوئی اختلاف وتضاد نہیں پایا گیا۔(46)

''شیطانی آیات'': ایک افسانہ

جہاں تک ”شیطانی آیات“ والے قصے کا تعلق ہے تو یہ محض ایک افسانہ ہے۔ اس قصے کو اسلام کا مجموعی مزاج کس طور قبول نہیں کرتا۔ بعض مسلم مصنفین نے اسے اپنی کتابوں میں جگہ دے کر ایک فاحش غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ امتِ مسلمہ نے کبھی بھی بحیثیت مجموعی اس افسانے کو تسلیم نہیں کیا۔ محقق علما نے اس قصے کو نہایت محکم دلائل سے رد کیا ہے۔ یہاں اس قصہ کے ابطال پر چند نام ور محقق علما کی آرا درج کی جاتی ہیں۔ اکابر علماے حدیث میں شمار ہونے والے امام بیہقی فرماتے ہیں: ھذہ القصۃ غیر ثابتۃ من جھۃ النقل۔” یہ قصہ نقلاً غیر ثابت شدہ ہے۔“ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ جن مفسرین اور تابعین سے یہ قصہ روایت کیا گیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی اسے کسی صحابی سے متصل سند کے ساتھ روایت نہیں کیا؛ اکثر طرق جن سے یہ قصہ مروی ہے، ضعیف اور فضول ہیں۔ مشہور حافظ حدیث محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ یہ قصہ زندیقوں کی اختراع ہے۔ امام ابوالمنصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ تلک الغرانیق العلی والا افسانہ ان باتوں میں سے ہے جو شیطان ان زندیقوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، جو اس کے ساتھی ہیں تا کہ وہ انھیں کمزور ایمان والوں میں پھیلائیں اور ان کی نظر میں دین کو مشکوک بنائیں۔ حضور ﷺ اس قسم کی فضول روایات سے بری الذمہ ہیں۔(47) علامہ محمد الصادق ابراہیم عرجون کہتے ہیں کہ یہ ایک گھڑا ہوا افسانہ ہے جو ہر لحاظ سے باطل ہے؛ یہ از اول تا آخر ایک خبیث جھوٹ ہے۔ یہ ایک کافرانہ جھوٹ ہے جسے گھڑنے والا یا تو کوئی احمق اور جاہل جوان ہے، یا کوئی حاسد اور بے ایمان بوڑھا، جو اسلام کا دشمن ہے یا کوئی فسادی، منافق اور فاجر ہے، اور یہ افسانہ اس کے دل میں شیطان مردود نے ڈالا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ غرانیق سے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی طور پر ثابت ہے۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ وہ حدیث جس میں غرانیق کا قصہ درج ہے، سفید جھوٹ اور موضوع ہے، کیوں کہ یہ قصہ از روئے نقل قطعاً ثابت نہیں۔ اس طرح جھوٹ تو کوئی شخص بھی گھڑ سکتا ہے۔(48) اور بھی متعدد علما نے اس قصہ کی سختی سے تردید کی ہے۔ حیرت ہے کہ اہلِ اسلام کے نزدیک اس قدر بے ہودہ اور بے سند قصے کو مستشرقین قرآن کی تکذیب کی خاطر یوں زور شور

سے پیش کرتے ہیں جیسے اس سے بڑی کوئی سچائی ہی نہ ہو۔ ایک قوی سے قوی سند سے مروی روایت کو اپنے نقطہ نظر کے خلاف پا کر چٹکی میں اڑا دینا اور ضعیف سے ضعیف حتی کے قطعی بے سند روایت کو اپنے موافق پا کر حقیقت ثابتہ کے طور پر دکھانا سخت نا انصافی ہے۔

معوذتین اور فاتحہ کی قرآنیت

رہا معوذتین اور فاتحہ کی قرآنیت کا معاملہ تو وہ باتفاقِ صحابہ کرام قرآن کا حصہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن مسعود سے منسوب کی جانے والی روایت کی بنا پر معوذتین کو قرآن کا حصہ نہ سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اول تو بہت سے محقق علما نے حضرت ابن مسعود کے معوذتین کو قرآن کا حصہ نہ سمجھنے والی روایت ہی کو تسلیم نہیں کیا ؛ جیسا کہ امام نووی نے "شرح المذہب" میں واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن کا جزو ہیں اور جو ان میں سے کسی کی قرآنیت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ حضرت ابن مسعود سے اس سلسلہ میں جو باتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ باطل ہیں۔ اور باقلانی اعجاز القرآن میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ دعویٰ سچا ہوتا کہ حضرت ابن مسعود نے ان دونوں سورتوں کا انکار کیا تھا تو صحابہ کرام اس بات پر ان سے مناظرہ کرتے اور مسئلہ خوب شہرت حاصل کرتا۔ صحابہ تو اس سے کم اہم معاملات میں بھی باہم مناظرہ کیا کرتے تھے ؛ یہ مسئلہ جو اتنا اہم تھا کہ اس کے متعلق غلط موقف انسان کو کفر و ضلالت تک پہنچا سکتا تھا، اس کے متعلق صحابہ اکرام کا نرم رویہ اختیار کرنا کیسے ممکن تھا! درحقیقت صحابہ نے جو کچھ مصحف میں جمع کیا اس پر ان کا اجماع تھا۔ لہذا جہاں اجماع ثابت ہو چکا ہے اور جس مسئلے پر امت کا اتفاق مشہور ہے اس کے متعلق اس طرح کی شاذ روایتوں کی کچھ حیثیت نہیں۔ تاہم اگر معوذتین سے متعلق روایت کی کچھ اصلیت ہو بھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ابن مسعود ان کو منزل من اللہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ دراصل ان کے نزدیک یہ سورتیں بطور تعویز و حکایت نازل ہوئی تھیں۔ وہ ان کو اپنے مصحف میں اس لیے نہیں لکھتے تھے کہ وہ انھیں بکثرت تلاوت کیا کرتے تھے اور انھیں یاد رکھنے کے لیے لکھ لینا ضروری نہیں سمجھتے تھے، یا ان کے نزدیک یہ ثابت نہیں تھا کہ حضور ﷺ ان سورتوں کو مصحف میں لکھنے کا حکم بھی دیا تھا۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ مصحف عثمانی کے متفق علیہ ہونے پر بشمول ابن مسعود کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ محققین نے اس حقیقت کی بھی نقاب کشائی کی ہے کہ مصحف عثمانی کے نفاذ کے بعد ابن مسعود نے اپنا نسخہ واپس لے لیا تھا۔ لہذا حضرت ابن مسعود کا معوذتین کو اپنے مصحف میں درج نہ کرنا یا درج کرنے کی مخالفت کرنا موجودہ قرآن کے قطعی الثبوت ہونے پر قطعاً کوئی اثر نہیں ڈالتا، اور نہ ہی اس سے معوذتین کو قرآنیت پر کوئی حرف آتا ہے۔

خلاصہ بحث

قرآن کے حوالے سے مستشرقین کے یہاں ایک اعتراض یہ سامنے آیا کہ قرآن اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں ؛ یہ آں جناب ﷺ کے بہت بعد کے زمانوں میں مدون ہوا ؛ اس کے نسخوں میں بہت سے اختلافات ہیں ؛ موجودہ قرآن وہ نہیں جو محمد (ﷺ) نے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس اعتراض کو بہت سے اہلِ مغرب نے رد کیا اور واضح کیا کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ ہے، جو حضور ﷺ نے دیا تھا ؛ یہ آں حضور ﷺ کے زمانے ہی میں سینوں اور سفینوں میں محفوظ کر لیا گیا ؛ اس کو حضور ﷺ نے خود لکھوا یا اور محفوظ کروایا ؛ آپ کے تشریف لے جانے کے فوراً بعد آپ کے صحابہ نے اسے مختلف جگہوں سے ایک نسخے میں جمع کر لیا۔ ہر دو مواقف کے حامل مغربی اہلِ قلم کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کی آرا تعصب یا ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔ حقیقت ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور پورے طور پر محفوظ ہے۔ اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو خود مغربی اہل قلم، جن میں اسلام کے سخت مخالف

ومعاند افراد بھی شامل ہیں، اتنے کھلے لفظوں میں اس کا اقرار نہ کرتے۔

حوالہ جات

1- ArthurJeffery, The Koran: Selected Suras)New York, Heritage Press, 1958)(14-15.

2- Arthur Jeffery, ed;Islam: Muhammad and his religion(Indianapolis New York: Bobbs-Merrill, 1958)(47.

3- Arthur Jeffery, Materials for the history of the text of the Quran(Leiden: E, J. Brill, 1937))5.

4- A . J Arberry, The Quran Interpreted) London: Allen & Unwin, 1955)(15.

5- D.S Margoliouth, Mohammedanism(London: Butterworth, 1928)(40.

6- Hastings, Encyclopaedia of Religion and Ethics, X/ 547-548.

7- John Burton ,The Collection of the Quran(Cambridge: Cambridge University Press, 1977)(231-232.

8- Jeffery,Materials, 3-10.

9- Arberry, The Quran Interpreted 18-19.

10- Rodwell, The Koran. 7A.S Tritton, Islam: Belief and Practice(London: Hutchinson, 1962)(15.

11- Sale, The Koran,45.

12- Mohammad A. Chaudhary",Orientalism on Variant Reading of the Quran: The Case of Arthur Jeffery ".American Journal of Islamic Social Science12,no. 2)1995:(171-172.

13- Arthur Jeffery,The Quran as Scripture)New York: Russell F. Moore Co, 1952)(93-97Jeffery, The Koran: Selected Suras, 14-15.

14- Jeffery,The Quran as Scripture,97.

15- Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, 60-61.

16- Bell, Introduction to the Quran, 41.

17- Jeffery,The Koran: Selected Suras,23.

18- Fred McGraw Donner, Muhammad and the Believers: At the Origins of Islam(USA: Harvard University Press, 2010)(54.

19- Ernst, Following Muhammad, 96.

20- Ernst, Following Muhammad, 96.

21- Ernst, Following Muhammad, 96-97.

22- Ernst, Following Muhammad, 97.

23- سلیمانی، رسول مبین، 186-187۔

24- بہ حوالہ: زقزوق، الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، 112۔

25- Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, 16.

26- Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, 16.

27- طہ 20:114۔

28- القیامۃ 75:16-19۔

29- الدکتور محمد مصطفیٰ شلبی، اصول الفقہ الاسلامی (بیروت: الدار الجامعۃ للطباعۃ والنشر، 1983)، 1/93۔

30- Bucaille, The Bible the Quran and Science, 117-118.

31- Bucaille, The Bible the Quran and Science, 117-118.

32- شلبی، اصول الفقہ الاسلامی، 1/93-94۔

33- الدکتور صبحی الصالح، مباحث فی علوم القرآن (بیروت: دار العلم للملایین، 1965)، 71-74۔

34- ابن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (القاہرہ: دار المعارف، 1946)، 1/32۔

35- Chaudhary, Orientalism on Variant Readings, 175-176.

36- Chaudhary, Orientalism on Variant Readings, 176-177.

37- زکریا ہاشم زکریا، الاسلام والمستشرقون (مصر: المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیۃ، 1965)، 115-116۔

38- مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن (بیروت: موسسہ الرسالہ، 1980)، 129۔

39- شلبی، اصول الفقہ الاسلامی 1/96۔

40- القطان، مباحث فی علوم القرآن، 131۔

41- Jeffery, Materials, 8.

42- آرتھر جیفری، مقدمتان فی علوم القرآن (القاہرہ، مکتبۃ الخانجی، 1972)، 95۔

43- Chaudhary, Orientalism on Variant Readings, 172.

44- Jeffery, Materials, 10.

45- Jeffery, Materials, 16.

46- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1999)، 16۔

47- محمد بن محمد ابوشہبہ، الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر (القاہرہ: مکتبۃ السنۃ، 1408ھ) 315-316۔

48- محمد الصادق ابراہیم عرجون، محمد رسول اللہ (دمشق: دار القلم، 1985)، 148، 30۔

سید العلماء علّامہ علی نقی النقوی ؒ کے
ترجمہ قرآن کے امتیازات

علّامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ

برصغیر کی مایۂ ناز علمی شخصیت سید العلماء علّامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ اِس دور میں برصغیر کے عظیم علماء کی تصویر اور تدریس وتقریر وتحریر کے میدان میں بے نظیر تھے۔ بزرگ علماء کی طرح آپ نے تفسیر قرآن کے لیے قلم اُٹھایا اور ۲۷۲ صفحات کا اس کا مقدمہ لکھا۔ ۳ شعبان ۱۳۵۶ھ میں یہ مقدمہ مکمل ہوا اور ۱۳۵۹ھ میں ادارۂ علمیہ لکھنو سے شائع ہوا۔ مقدمے کی اشاعت کے بعد علم دوست طبقہ کو اصل تفسیر کی اکیس سال انتظار کرنی پڑی اور ۱۳ صفر ۱۳۷۵ھ میں پہلا سپارہ تفسیری حواشی کے ساتھ مکمل ہوا اور شائع ہوا۔ یہ تقریباً ۱۹۵۶ء کا سال تھا۔ علّامہ مفتی جعفر حسین ؒ نے اس کی اشاعت پر یہ مضمون تحریر فرمایا جو پیش خدمت ہے۔

ترجمہ وتفسیر کا یہ سلسلہ سپاروں کی صورت میں شائع ہوتا رہا اور تیسویں سپارے کی تکمیل ۱۵ ماہ رمضان ۱۴۰۷ھ کو ہوتی ہے۔ یوں تیس سپاروں کی تکمیل میں بتیس سال لگ گئے۔ اسے تفسیر فصل الخطاب کا نام دیا گیا اور پہلے تین سپاروں پر مبنی اس کی پہلی جلد ۱۹۸۰ء میں غلام محمد بٹ صاحب نے ثمر بُک مقبوضہ کشمیر سے شائع کرائی۔ ۱۹۸۸ء میں ثمر بُک سے ہی سات جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر مکمل ہوئی ہے۔

علامہ مفتی جعفر حسین ؒ کا یہ مضمون ادارۂ علمیہ (پاکستان) لاہور نے اُس وقت شائع کیا تھا اور اس وقت اسے "مرکز احیاء آثار برصغیر" کے خصوصی رسالے "سیّد العلماء نمبر محرّم ۱۴۳۲ھ" سے نقل کیا گیا ہے۔

سید العلماء ؒ کے ترجمہ قرآن کے امتیازات

علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا وہ سرچشمہ ہے جس کے مندرجات کی نشر واشاعت کو ہمیشہ مسلمانوں نے ایک اہم دینی فریضہ

سمجھا۔عرب قوم یا عربی دان جماعت کے لیے تو اس کے ترجمے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ان کے لیے صرف تفسیر وتشریح کی ضرورت تھی۔مگر ایران اور ہندوستان کے ایسے ملکوں میں جہاں کے زیادہ تر افراد عربی زبان سے ناواقف تھے۔اس کے تحت اللفظی معانی کے سمجھانے کے لیے ترجموں کی ضرورت محسوس ہوئی۔

چنانچہ گیارہویں صدی ہجری میں ایران میں جمال المحققین آقا جمال خوانساری نے جو فقیہ اور محقق بھی تھے فارسی میں بہترین ترجمہ قرآن فرمایا۔ ہندوستان میں اس کے بعد علماء اہلِ سنت میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کا آغاز کیا تو سطحی نگاہ والے سوادِ اعظم کے مدعیان علم میں مشہور ہو گیا کہ ترجمہ قرآن جائز نہیں ہے۔آخر یہ شور وغوغا ختم ہوا اور بالغ نظر محققین علماء نے یہ طے کر دیا کہ عوام کو مضامین قرآن پر مطلع کرنے کے لیے ترجمہ امر مستحسن ہے۔بے شک ترجمہ کو اصل قرآن کا درجہ نہیں حاصل ہو سکتا اور ترجمہ کے پڑھنے سے ثواب تلاوت قرآن کا استحقاق نہیں ہوگا۔یہی نظریہ ہے جو بالکل مسلمات میں داخل ہے اور حق وصواب ہے۔

شیعوں میں سے سب سے پہلا ترجمہ قرآن جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کے فرزندِ ارجمند جناب مولانا سید علی صاحب متوفی ۱۲۵۹ھ نے کیا جو ان کی اردو تفسیر "توضیح المجید" کے ضمن میں ہے۔اس کے بعد سنی وشیعہ بہت سے علماء اس کام کو انجام دیتے رہے مگر ظاہر ہے کہ ترجمہ عربی زبان پر پورے عبور کے ساتھ اردو محاورات میں کامل اقتدار کا طلبگار رہے اور خود اردو زبان کا معیار مختلف ادوار میں اب تک برابر بدلتا رہا اور اونچے سے اونچا ہوتا رہا اس لیے ہر دوسرے دور میں پہلے کا ترجمہ ناکافی معلوم ہوا اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔

اب تک کے ترجموں میں بلاخوف انکار کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلا ترجمہ مولانا حافظ سید فرمان علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا ہے جو مختصر تفسیر وحواشی کے ساتھ شائع ہوا ہے مگر زمانہ کے ارتقاء کے ساتھ مختلف پہلوؤں کے سامنے آنے کی وجہ سے پھر بھی ایک بلند معیار کی تشنگی محسوس ہوتی رہی۔خصوصًا حواشی میں، اس لیے کہ فرمان علی صاحب مرحوم نے متعدد مقامات پر تفاسیر اہلِ سنت پر اعتماد کر کے حواشی تحریر کر دیئے ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے ہمارے مستند تفاسیر اور ثابت شدہ نظریات کے خلاف ہیں۔اس کے لیے مزید ترجمہ اور حواشی کی ضرورت برقرار رہی۔شکر ہے کہ اس ضرورت کی طرف جناب سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مد ظلہ، کی توجہ مبذول ہوگئی۔موصوف کے جو قرآنی خدمات اب تک منظر عام پر آئے ہیں۔نیز آپ کی تقریریں اور بیانات جو ہزاروں آدمیوں کے گوش زد ہوتے رہے ہیں ان کے بناء پر علوم القرآن میں آپ کا تبحر ایک مسلم الثبوت حیثیت رکھتا ہے۔اس کے علاوہ اردو کے صاحب زبان ہونے کے ساتھ اپنے ادبی کمال کی بلندی کے لحاظ سے بھی ان کا امتیاز مسلّم ہے۔یہی دو چیزیں ہیں جو ترجمہ کی کامیابی کی ضامن ہیں۔

چنانچہ آپ کے ترجمہ کا پہلا پارہ جو اب منظر عام پر آ رہا ہے ان تمام خصوصیات کا حامل ہے جن کی توقع آپ کے ترجمہ میں کی جا سکتی تھی۔ذیل میں کچھ ممتاز تراجم میں سے چند آیات قرآن کا ترجمہ اور ان کے بالمقابل جناب سید العلماء کا ترجمہ بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے جس سے پتہ چلے گا کہ اس ترجمہ کو موجودہ تراجم میں کیا امتیاز حاصل ہے۔

۱۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (سورۂ حمد، آیہ ۱)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم:

خدا کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بڑا مہربان رحم والا ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی:

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

مولانا علی نقی صاحب قبلہ:

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

مختصر تشریح:

رحمٰن اور رحیم کے لفظوں میں فرق یہ ہے کہ رحمٰن اس رحمت کو بتاتا ہے، جو دوست و دشمن اور مومن و کافر سب کو عام ہے اور ایسی رحمت اللہ سے مخصوص ہے اسی لیے غیر اللہ پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن رحیم اس رحمت کا مظہر ہے، جو مومنین سے مختص ہے۔ یہ فرق گزشتہ ترجموں سے ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ جو دوست و دشمن کو عام ہو اسے "مہربانی" کہنا درست نہیں بلکہ "فیض" کے لفظ سے اس کی تعبیر درست ہے۔ "رحم کرنا" ہماری زبان میں مصیبت کے وقت سے مختص ہے۔ یہ تمام انواع رحمت کو شامل نہیں۔ (شروع) کلام میں مقدر ہے لہذا ترجمہ میں بھی مقدر قرار دینا درست ہے۔ اسے مظہر بنا دینا ترجمہ کے حدود سے تجاوز ہے۔ پھر عبدالماجد صاحب کے ترجمہ کی ترکیب بھی اردو محاورہ کے مطابق نہیں ہے۔

۲۔ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (سورۂ حمد، آیہ ۶)

مولانا فرمان علی صاحب:

تو ہم کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھ۔

مولانا عبدالماجد:

چلا ہم کو سیدھا راستہ۔

مولانا علی نقی صاحب:

بتا تا رہ ہم کو سیدھا راستہ۔

مختصر تشریح:

پہلے ترجمہ میں "ہدایت" کے معنی ہی نہیں پیدا ہوتے۔ ثابت قدم رکھنا اس لفظ کے معنی نہیں ہیں۔ دوسرے میں "چلا" کی لفظ جبر کا توہم پیدا کرتی ہے۔ آخری ترجمہ میں ہدایت کا مفہوم بھی آ گیا اور رہ کی لفظ سے ثابت قدم رکھنے کے معنی بھی آ گئے۔

۳۔ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۳)

مولانا عبدالماجد صاحب:

اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

مولانا فرمان علی صاحب:

اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔

مولانا علی نقی صاحب:

جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خیرات کرتے ہیں۔

تشریح:

مطلق "خرچہ کرنا" کوئی مدح نہیں۔فرمان علی صاحب نے اس کمی کو بریکٹ کے الفاظ سے پورا کیا ہے۔مگر بریکٹ کا ترجمہ میں داخل ہونا درست نہیں۔خیرات کی لفظ اس کمی کو دور کر دیتی ہے۔

۴۔﴿وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۵)

مولانا فرمان علی صاحب:

اور یہی لوگ اپنے دلی مرادیں پائیں گے۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

یہی (پورے) بامراد ہیں۔

مولانا سید علی نقی صاحب:

یہ ہیں جو ہر حیثیت سے بہتری پانے والے ہیں۔

تشریح:

فلاح کے معنی ائمہ لغت کے قول کے مطابق انواعِ خیر کے شمول پر مشتمل ہیں ۔مراد کی لفظ انہی چیزوں کو شامل ہے جن کا انسان کو تصور اور جن کی طلب ہے۔فلاح کی لفظ اس سے زیادہ کی حامل ہے۔

۵۔﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا کَانُوْا مُهْتَدِیْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۶)

مولانا فرمان علی صاحب:

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کی، پھر نہ ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ ان لوگوں نے ہدایت ہی پائی۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی خرید کر لی ہدایت کے بدلے، سو نہ ان کی تجارت ہی سود مند ہوئی اور نہ وہ راہ یاب ہوئے۔

مولانا سید علی نقی صاحب:

یہ ہیں وہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی تو نہ ان کے بیوپار نے نفع دیا اور نہ انہیں ہدایت ہی نصیب ہوئی۔

تشریح:

پہلے دونوں ترجموں میں سلاست کی کمی ہے اور پہلے ترجمہ میں پھر کی لفظ بے موقع اور دوسرے میں سو ہے جو متروک ہے اور راہ یاب کی ترکیب غریب ہے۔

۶۔﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۲۴)

مولانا فرمان علی صاحب:

پس اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

اور اگر یہ نہ کرسکو اور ہر گز نہ کرسکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو۔

مولانا سید علی نقی صاحب:

اب اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہر گز نہیں کرو گے تو پھر بچنے کا سامان کرو اس آگ سے۔

تشریح:

سکو، کی لفظ ان دونوں ترجموں میں اصل سے زائد ہے۔ اس کے بعد اتقاء کے معنی ڈرنے کے ہیں ہی نہیں۔ بچنے کا سامان کرنا اس کے لغوی معنی سے مطابق بھی ہے اور اصل مفہوم کو بھی زیادہ واضح کرتا ہے۔

۷۔﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۲۹)

مولانا فرمان علی صاحب:

وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان ہموار اور (مستحکم) بنا دیئے۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی اور اُنہیں سات آسمان درست کر کے بنا دیئے۔

مولانا علی نقی صاحب:

وہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر آسمان کی طرف رخ کیا تو انہیں سات آسمانوں کی صورت میں درست کیا۔

تشریح:

پہلے ترجموں میں سلاست کی کمی نمایاں ہے۔

۸۔﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۳۲)

مولانا فرمان علی صاحب:

تو بڑا جاننے والا مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

بے شک تو ہے بڑا علم و حکمت والا۔

مولانا علی نقی صاحب:

یقیناً تو بڑا جاننے والا، مناسب ہی کام انجام دینے والا ہے۔

تشریح:

حکیم کی لفظ کا ترجمہ ان دونوں میں مفقود یا ناقص ہے۔

۹۔﴿فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۳۵)

مولانا عبدالماجد صاحب:

ورنہ تم گنہ گاروں میں سے ہو جاؤ گے۔

مولانا فرمان علی صاحب:

(ورنہ) پھر تم اپنا آپ نقصان کرو گے۔

مولانا علی نقی صاحب:

ورنہ تم حد سے قدم آگے بڑھانے والوں میں سے ہو گے۔

تشریح:

ظالمین کا ترجمہ گنہ گار غلط بھی ہے اور مخالفت عصمت سے زیادہ قریب بھی۔ دوسرے ترجمہ میں عصمت کا تحفظ کیا گیا ہے مگر اپنا آپ الفاظ قرآن کے حدود سے خارج ہے۔ آخری ترجمہ میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لفظی مفہوم کے حدود سے خارج ہو اور وہ خود قرآن میں جو الفاظ ظالم کی تشریح ہے اس کے مطابق ہے کہ ﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آ۲۲۹)

۱۰۔﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۴۱)

مولانا فرمان علی صاحب:

اور تم سب سے پہلے اس کے انکار پر موجود نہ ہو جاؤ۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

اور مت بنو اس کے ساتھ اوّلین کفر کرنے والے۔

مولانا علی نقی صاحب:

اور اس کے اوّل نمبر کے منکر نہ بنو۔

تشریح:

پہلے دونوں ترجموں سے اوّلیت باعتبار زمانہ مستفاد ہوتی ہے حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے بلکہ اوّلیت باعتبار شدت انکار مراد ہے۔ نیز پہلے دونوں ترجموں میں سلاست کی کمی بھی ظاہر ہے۔

۱۱۔﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۴۵)

مولانا فرمان علی صاحب:

اور (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو اور البتہ نماز دوبھر تو ہے مگر ان خاکساروں پر (نہیں)

مولانا عبدالماجد صاحب:

اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور وہ بے شک گراں ہے مگر خشوع رکھنے والوں پر (نہیں)

مولانا علی نقی صاحب:

اور سہارا لو صبر اور نماز کا اور یقیناً وہ گراں ہے (سب ہی پر) سوا عظمتِ الٰہی سے متاثر دل رکھنے والوں کے لیے۔

تشریح:

سہارا پکڑنے سے سہارا لینا زیادہ فصیح ہے۔ پہلے دونوں ترجموں میں بریکٹ میں (نہیں) کی لفظ بلاضرورت ہے، عربی کے قاعدے سے جو شے مقدر مانی جاتی ہے اسی کا بیان معنیٰ میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ عربی کے لحاظ سے اس استثناء کے قبل مستثنیٰ منہ مقدر ہوتا ہے جیسے سب ہی پر کی لفظ ظاہر کرتی ہے، نہیں تو الا کی لفظ سے ضمناً ظاہر ہوتا ہے جیسے سوا کی لفظ ظاہر کردیتی ہے۔ خاکساروں، متواضعین کا ہم معنیٰ ہے خاشعین کا نہیں۔ دریابادی صاحب کے ترجمہ میں خشوع رکھنے والوں، کہا گیا ہے۔ اس میں خاشعین کی لفظ سے جو واقف نہ ہو تو اس کے لیے ترجمہ ہی نہیں کیا گیا ہے۔ یہ تمام نقائص آخری ترجمہ میں دور کردیئے گئے ہیں۔

۱۲۔ ﴿وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۴۷)

مولانا فرمان علی صاحب:

ہم نے تم کو سارے جہاں کے لوگوں سے بڑھا دیا۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

تمہیں دنیا جہاں والوں پر فضیلت دی۔

مولانا علی نقی صاحب:

میں نے تمہیں تمام خلائق سے زیادہ عطا کیا۔

تشریح:

یہ بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔ پہلے دونوں ترجموں میں ﴿فَضَّلْتُکُمْ﴾ کو فضیلت سے مشتق قرار دیا ہے حالانکہ بنی اسرائیل کا تمام اقوام سے افضل ہونا قرآن کی دوسری آیتوں کے خلاف ہے۔ حقیقت میں ﴿فَضَّلْتُکُمْ﴾ افضل بمعنی زیادتی عطا سے مشتق ہے جس کا تیسرے ترجمہ میں تحفظ کیا گیا ہے۔

۱۳۔ ﴿وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۴۹)

مولانا فرمان علی صاحب:

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں (تمہارے بزرگوں) قوم فرعون (کے پنجے) سے چھڑایا جو تمہیں بڑے بڑے دکھ دے کے ستاتے تھے۔ تمہارے لڑکوں پر تو چھری پھیرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی خدمت کے لیے) زندہ رہنے دیتے تھے۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی۔ جو تمہارے اوپر بڑا عذاب توڑ رہے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کرڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔

مولانا علی نقی صاحب:

اور اس وقت جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے چھٹکارا دیا جو تمہیں بُری طرح تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو حلال کرڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھ لیتے تھے۔

تشریح:

پہلے ترجمہ میں بریکٹ کے الفاظ کی زیادتی ترجمہ کے حدود سے تجاوز کر گئی ہے۔ دوسرے ترجمہ میں زندہ رہنے دیتے تھے، کسی مصیبت کا پتہ نہیں دیتا۔ اس کمی کو پہلے ترجمہ میں بریکٹ کے الفاظ (اپنی خدمت کے لیے) سے پورا کیا گیا تھا۔ رہنے دیتے تھے میں یہ بھی نقص ہے کہ دیتے کی لفظ وہاں صحیح ہے جو دوسرے پر کوئی کرم مقصود ہو۔ آخری ترجمہ میں رکھ لیتے تھے، کی لفظ اختصار کے ساتھ محاورہ کے اندر اس نقص کو دور کر دیتی ہے۔

۱۳۔ ﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۵۵)

مولانا فرمان علی صاحب:

اس پر تمہیں بجلی نے لے ڈالا۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

اس پر تم کو آلیا کڑک نے۔

مولانا علی نقی صاحب:

اس پر تمہیں بجلی نے گرفت میں لے لیا۔

تشریح:

اس ترجمہ کی فصاحت نمایاں ہے۔

۱۴۔ ﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۶۲)

مولانا فرمان علی صاحب:

بے شک مسلمانوں اور یہودیوں اور نصرانیوں اور لامذہبوں میں سے جو کوئی خدا اور آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتا رہے تو اُنہیں کے لیے ان کا اجر و ثواب ان کے خدا کے پاس ہے اور نہ (قیامت میں) ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا۔ نہ وہ رنجیدہ دل ہوں گے۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

بے شک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور انصاری اور صابی (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے سو ان (سب) کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لیے ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے۔

مولانا علی نقی صاحب:

یقیناً جو مسلمان ہی ہوں اور جو پہلے یہودی، عیسائی اور صابی تھے جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر واقعی ایمان رکھے اور نیک عمل کرے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے اور ان کے لیے کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنج میں مبتلا ہوں گے۔

تشریح:

پہلے ترجموں سے خیال ہوتا ہے کہ نجات مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے، حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ تیسرے ترجمہ میں

اس کا تحفظ کیا گیا ہے۔

۱۵۔﴿وَ لَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۸۹)

مولانا فرمان علی صاحب:

اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب (قرآن) آئی اور وہ اس (کتاب توریت) کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتی ہے اور اس سے پہلے (اس کی امید پر) کافروں پر فتح یاب ہونے کی دُعائیں مانگتے تھے پس جب ان کے پاس وہ چیز جسے پہچانتے تھے آ گئی تو لگے انکار کرنے۔

مولانا عبد الماجد صاحب:

اور جب ان کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچ گئی تصدیق کرنے والی اس کے جو ان کے پاس (پہلے سے) موجود ہے اور اس سے قبل یہ (خود ہی) کافروں سے بیان کیا کرتے تھے پھر جب ان کے پاس وہ آ گیا، جس کو خوب پہچانتے تھے تو اسی سے کفر کر بیٹھے۔

مولانا علی نقی صاحب:

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف کی وہ کتاب آئی جو ان کے پاس والی (کتاب) کی تصدیق کرنے والی ہے تو باوجودیکہ اس کے پہلے یہ لوگ خود کافروں کے سامنے اس کتاب کی پیش گوئی کر کے اپنی فتح وظفر کا اعلان کرتے رہتے تھے، اب جسے وہ پہلے سے جانتے تھے جب ان کے پاس آئی تو یہ خود اس کے منکر ہو گئے۔

تشریح:

پہلے ترجمہ میں کتاب اور تصدیق کرنے والی معطوف اور معطوف علیہ کے طور پر لایا گیا ہے جو غلط ہے۔ دوسرے میں "ایک کتاب" کی لفظ سے ابہام پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ توصیف کے لیے "ایسی" کی لفظ کی ضرورت ہے جس سے ایک طرح کی تعیین ہو جاتی ہے۔ ﴿يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ﴾ کے معنی "بیان کیا کرتے تھے" فتح کے معنی پر مشتمل نہیں ہیں جسے لفظ ﴿يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ﴾ متضمن ہے۔ حالیہ ترجمہ میں یہ سب نقائص دور کر دیئے گئے ہیں۔

۱۶۔﴿وَ لَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَ مِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمۡ لَوۡ يُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ يُّعَمَّرَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۹۶)

مولانا فرمان علی صاحب:

تم ان (ہی) کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پاؤ گے اور مشرکوں سے ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ کاش اس کو ہزار برس کی عمر دی جاتی حالانکہ اگر اتنی طولانی عمر بھی دی جاوے تو وہ (خدا کے) عذاب سے چھٹکارا دینے والی نہیں۔

مولانا عبد الماجد صاحب:

آپ اُنہیں زندگی پر حریص سب لوگوں سے بڑھ کر پائیں گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی بڑھ کر ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ ہزار ہزار برس کی عمر پاوے حالانکہ اگر اتنی عمر پا بھی جائے تو یہ (امر) اسے عذاب سے تو نہیں بچا سکتا۔

مولانا علی نقی صاحب:

اور ایک خاص (باعیش ونشاط) زندگی کی لالچ ان میں سب سے یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ پاؤ گے ان میں سے ہر

ایک چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر ملتی حالانکہ اس عمر کا ملنا بھی اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا۔

تشریح:

پہلے ترجمہ میں ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ کو بعد کے فقرہ سے متعلق کر دیا ہے جو غلط ہے۔"زندگی" کی لفظ دونوں پہلے ترجموں میں اس طرح لائی گئی ہے کہ تنوین کے معنی پیدا نہیں ہوتے۔

۱۷۔﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۰۶)

مولانا فرمان علی صاحب:

(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا (تمہارے ذہن سے) مٹا دیتے ہیں، تو اس سے بہتر یا ویسی (اور) نازل بھی کر دیتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں، تو کوئی اس سے بہتر ہی یا مثل اس کے لے آتے ہیں۔

مولانا علی نقی صاحب:

جس آیت کو ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھول جانے دیتے ہیں، اس سے بہتر یا اس کے مثل دوسری ہم پیش کر دیتے ہیں۔

تشریح

پہلا ترجمہ بریکٹ کے الفاظ "تمہارے ذہن سے" کی وجہ سے عقائد حقہ کے مخالف ہو گیا ہے۔صحیح یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان یہ نہیں ہے کہ وہ آیات الٰہیہ کو بھول جائیں۔دوسرے ترجمہ میں یہ پہلو نمایاں نہیں ہے مگر بھلا دینا جبر کا پتا دیتا ہے۔یعنی اقوام کو انبیاءؑ کے تعلیمات بھلا دینے کا ذمہ دار اللہ کو قرار دیتا ہے، یہ بھی درست نہیں ہے۔تیسرے ترجمہ میں ان سب باتوں کا تحفظ ہے۔یہاں بھولنا خود ان قوموں کا عمل قرار دیا گیا ہے۔اللہ کی طرف سے اتنا ہی کہ وہ اس کے خلاف جبر اپنا صرف نہیں کرتا کہ زبردستی انہیں بھولنے سے مانع ہو۔﴿نُنْسِهَا﴾ کا یہ ترجمہ اسی طرح درست ہے جس طرح ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ﴾ کا یہ ترجمہ کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ ہو جانے دیتا ہے جو عقیدہ حق کے مطابق ہے۔

۱۸۔﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۱۵)

مولانا فرمان علی صاحب:

ساری زمین خدا ہی کی ہے (کیا) پورب (کیا) پچھم پس جہاں کہیں (قبلہ کی طرف) رخ کرو وہیں خدا کا سامنا ہے۔بے شک وہ بڑی گنجائش والا اور خوب واقف ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو اللہ ہی کی ذات ہے۔اللہ بڑا وسعت والا ہے علم والا ہے۔

مولانا علی نقی صاحب:

اور اللہ کے مشرق اور مغرب دونوں ہی ہیں تو جدھر رخ کرو، اللہ کی مرضی مل سکتی ہے۔ یقیناً اللہ وسعت والا بڑا علم رکھنے والا ہے۔

تشریح:

پہلے ترجمہ میں بریکٹ میں (قبلہ کی طرف) کہہ کر سمت کو محدود بنا دیا گیا ہے جو اصل مضمون آیت کے خلاف ہے۔ اللہ کا سامنا اور اللہ کی ذات سے جو ان دونوں ترجموں میں ہے اللہ کی مرضی زیادہ مناسب ترجمہ ہے جس معنی سے خَالِصَۃً لِوَجْہِ اللّٰہِ کا محاورہ ہے۔

۱۹۔ ﴿وَ لَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۱۹)

مولانا فرمان علی صاحب:

اور دوزخیوں کے بارے میں تم سے کچھ نہ پوچھا جاوے گا۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

اور آپ سے اہل دوزخ کی بابت کچھ بھی پوچھ نہ ہوگی۔

مولانا علی نقی صاحب:

اور دوزخ جانے والوں کی جوابدہی تم پر نہیں ہے۔

تشریح:

اس ترجمے سے مفہوم غالباً زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔

۲۰۔ ﴿رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۲۸)

مولانا فرمان علی صاحب:

اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ (پیدا کر) جو تیرا فرمانبردار ہو۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت پیدا کر۔

مولانا علی نقی صاحب:

پروردگارا! اور یہ عرض ہے کہ ہم دونوں کو اپنی بارگاہ میں "مسلم" قرار دے اور ہماری نسل میں سے بھی ایک امت قرار دے جو تیری بارگاہ میں مسلم ہو۔

تشریح:

قرآن کی دوسرے آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ مسلم کی لفظ ابراہیمؑ نے اس وقت کے لیے بطور نام کے قرار دیا ہے لہذا اس کا

ترجمہ وصفی طور پر کردینا اس کی اسمی حیثیت کو ختم کر دیتا ہے۔ ہاں تفسیری نوٹ کے طور پر "مسلم" کے معنی ظاہر کر دیا جائیں تو بہتر ہے۔

۲۱۔ ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۴۰)

مولانا فرمان علی صاحب:

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و اولاد یعقوبؑ یہ سب کے سب یہودی یا نصرانی تھے (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے) پوچھو تو کہ تم زیادہ واقف ہو یا خدا؟ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی (موجود) ہو (کہ وہ یہودی تھے) اور پھر وہ چھپائے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے بے خبر نہیں ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب:

کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد (یعقوبؑ) یہودی یا نصرانی تھے؟ آپ کہیے تم واقف تر ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کے حکم سے پہنچ چکی ہے۔ ورنہ اللہ ہمارے کرتوتوں سے بے خبر تو نہیں ہے۔

مولانا علی نقی صاحب:

کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اسباط یہودی یا عیسائی تھے؟ ان سے کہنا چاہیے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا کہ جو کسی گواہی کو جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے پوشیدہ کرے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں۔

تشریح:

پہلے ترجمہ میں یعقوبؑ کا ذکر اُڑا دیا گیا ہے اس کے علاوہ خدا کی طرف سے گواہی کے بعد بریکٹ میں یہ لکھ کر (کہ وہ یہودی تھے) مطلب ہی الٹا کر دیا۔ اللہ کی گواہی تو یہ ہے کہ وہ یہودی اور نصرانی کوئی بھی نہ تھے بلکہ حنیف مسلم تھے۔ دوسرے ترجمہ کے آخر میں تمہارے کرتوتوں کے بجائے "ہمارے" کر دیا گیا ہے۔ تیسرا ترجمہ ان سب غلطیوں سے بری ہے۔

جعفر حسین عفی اللہ عنہ

ادارہ علمیہ (پاکستان) لاہور۔

بشکریہ

مرکز افکار اسلامی

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی روشنی میں

ابوسعد اعظمی
ادارہ علوم القرآن، شبلی باغ، علی گڑھ انڈیا
anislahi@gmail.com

سیرت نبوی سے مسلمانوں کو غیر معمولی شغف رہا ہے اور ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ عقیدت ومحبت کا پر خلوص نذرانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر زبان میں سیرت سے متعلق بے شمار کتابیں تصنیف کی گئی ہیں اور بحمد اللہ آج تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ البتہ ایسی کتابوں کی تعداد بہت کم ہے جن میں قرآن کریم کو بطور ماخذ سیرت کے پیش کیا گیا ہو اور اس کی روشنی میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قلم بند کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ اکیسویں صدی میں خالد مسعود کی ''حیات رسول امی'' اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ میں استاذ تفسیر مولانا عمر اسلم اصلاحی کی ''قرآن کریم بحیثیت ماخذ سیرت'' اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہیں کہ ان میں قرآن کریم ہی کی روشنی میں سیرت نویسی کی کوشش کی گئی ہے۔

مایہ ناز مفسر قرآن اور ممتاز ادیب وصحافی مولانا عبدالماجد دریا آبادی (۱۸۹۲-۱۹۷۷ء) علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ ایک باکمال اور توفیق یافتہ اہل قلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم کی دولت، قلم کی امانت اور وقت کی قدر کرنے جیسی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا۔ ایک طرف انھوں نے قرآنیات اور اسلامیات کے باب میں بیش بہا خدمات انجام دیں تو دوسری طرف صحافت، فلسفہ، نفسیات، ترجمہ نگاری، سوانح نویسی اور ادب کے دیگر گوشوں کو بھی بھرپور نوازا۔ اصلاً ان کی حیثیت ادیب وانشا پرداز ہی کی تھی اور نقادوں نے بھی ان کی اس حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن ان کی علمی زندگی کا سب سے اہم باب قرآنی علوم کی خدمت ہے۔ ان کی تفسیر قرآن جو تفسیر ماجدی کے نام سے اہم علم میں معروف ہے کے علاوہ قرآنیات پر ان کی چند اہم کتابوں کے نام ہیں: حیوانات قرآنی، ارض القرآن، اعلام القرآن یا قرآنی شخصیات وغیرہ۔ قرآنیات پر مشتمل اور سیرت نگاری کے باب میں ان کی اہم اور قرآنی سیرت نگاری کا اولین نقش ان کی کتاب ''سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی روشنی میں'' ہے۔ ذیل میں اسی کتاب کا تعارفی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذکورہ کتاب دراصل ان نو خطبات کا مجموعہ ہے جنہیں مولانا دریابادی نے جنوری ۱۹۵۸ء میں مدراس میں پیش کیا تھا، گویا خطبات مدراس کا ہی یہ ایک زریں سلسلہ ہے۔ مصنف نے اپنے اختتامیہ میں صراحت کی ہے کہ سیرت پر موجود بیش بہا لٹریچر میں ابن ہشام کی سیرت نبویہ، قاضی العیاض کی الشفا اس لحاظ سے اہم ہے کہ ان کے متعدد مباحث میں آیات کریمہ سے

استفادہ کی مثالیں ملتی ہیں۔ انھوں نے مولانا عبد الشکور کی کتاب مختصر سیرت نبویہ جس کا پورا نام سیرۃ الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع ہے سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کی تالیف کردہ سیرۃ النبی کی اہمیت کا بھی انھوں نے تذکرہ کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ان حضرات نے بھی مختلف مباحث میں قرآن کریم سے خوب استفادہ کیا ہے۔ فاضل مصنف نے مقدمہ میں یہ واضح کیا ہے کہ کتاب کی تکمیل کے بعد مصر کے مشہور عالم محمد عزہ دروزہ کی سیرۃ الرسول کا انھیں علم ہوا جو دو جلدوں میں تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے خواہش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کتاب شروع میں مل گئی ہوتی تو اس سے رہنمائی بہت کچھ حاصل ہوگئی ہوتی۔

جیسا کہ شروع میں اشارہ کیا گیا یہ کتاب کل نو خطبات پر مشتمل ہے۔ ان کے عناوین بالترتیب درج ذیل ہیں:

۱- ظہور کی پیش خبریاں ۲- نام، نسب، وطن، زمانہ ۳- فضائل، خصائص، مشاغل ۴- رسالت و بشریت

۵- ہجرت ۶- غزوات و محاربات ۷- معاصرین ۸- معجزات و دلائل ۹- خانگی اور ازدواجی زندگی

پہلے خطبہ میں قرآن کریم کے حوالہ سے ظہور نبوی سے متعلق پیشن گوئیوں کو جمع کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اہل کتاب ایک نبی موعود کے انتظار میں صدیوں سے چلے آرہے تھے اور قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے تو اس ظہور مبارک کے لیے دعا صراحت سے نقل کی ہے۔ یہ دعا تنہا حضرت ابراہیمؑ کی نہ تھی بلکہ مبارک وقت میں ایک مبارک جگہ دو مقدس بندوں کی زبان سے مل کر نکلی تھی۔ قرآن سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ ظہور نبوی کی پیش خبریاں اگلے صحیفوں میں آچکی ہیں۔ اس کے بعد مصنف نے توریت و انجیل سے نمونے پیش کر کے یہ واضح کیا ہے کہ تحریفات کے باوجود اب بھی ان میں بشارت نبوی سے متعلق پیشن گوئیاں موجود ہیں۔

دوسرا خطبہ نام، نسب، وطن اور زمانہ کے عنوان سے ہے۔ قرآن کی چار سورتیں (فتح، محمد، آل عمران، احزاب) میں اسم مبارک محمد کا ذکر آیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے پیش خبری کے ضمن میں احمد کا لفظ آیا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد سورتوں میں آپ ﷺ کے صفاتی نام وارد ہیں مثلاً نذیر، بشیر، منذر، مبشر، شاہد، داعی الی اللہ، سراج منیر، مزمل، مدثر، النبی الامی، مذکر، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین۔ قرآنی آیات جن میں یہ صفاتی نام وارد ہیں انہیں بھی نقل کیا گیا ہے۔ کچھ نام براہ راست تو نہیں ہیں لیکن قرآنی آیات سے مستنبط کیے جاسکتے ہیں مثلاً مصطفی، مجتبیٰ، مطاع، صادق، امین، مبلغ، مزکی، مرسل وغیرہ۔ اس کے علاوہ النبی اور الرسول کا اطلاق اس کثرت سے ہوا ہے کہ اس کا احاطہ آسان نہیں۔ لفظ عبد تو اپنے لغوی مفہوم میں عام ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی تکریم و تشریف خصوصی کے موقع پر اس کثرت سے آیا ہے کہ اگر اسے ایک لقب خصوصی قرار دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ سورۃ الجن میں آپ کے لیے عبد اللہ بھی استعمال ہوا ہے۔ رؤوف اور رحیم اللہ اور رسول دونوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ البتہ اللہ کے لیے معرفہ اور رسول کے لیے نکرہ مستعمل ہے۔ نسب کے ذکر میں سورہ ضحیٰ کے حوالہ سے آپ کی یتیمی اور دعائے ابراہیمی کے حوالہ سے آپ ﷺ کا شاخ اسماعیل سے ہونے کو واضح کیا گیا ہے۔ سورہ ابراہیم میں وارد دعائے ابراہیمی کی روشنی میں آپ

کے وطن کی تعیین کی گئی ہے۔ زمانہ کی تعیین کے ضمن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد نزول توریت ہی کے نہیں نزول انجیل کے بعد کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب تک کے اوصاف توریت وانجیل میں موجود ہیں۔ قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے اور وہ بھی ان سے متصل نہیں بلکہ ایک فترہ ہے۔ سورہ قریش سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ زمانہ تھا جب قریش کی سرداری معاصر عرب قبیلوں میں مسلم ہو چکی تھی، بلکہ قریش کی بین الاقوامی حیثیت ہمسایہ ملکوں میں مانی جاتی تھی۔ سورہ فیل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ابرہہ کے خانہ کعبہ پر لشکر کشی کے ذرا بعد کا ہے۔ اور سورہ نصر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ وفات کی تعیین کی جاسکتی ہے۔

تیسرا خطبہ فضائل، خصائص، مشاغل کے عنوان سے ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی فوق البشر یا فرشتہ وغیرہ نہیں تھے بلکہ محض بشر تھے جیسے دنیا میں بشر ہوا کرتے ہیں۔ آپ کا تعلق رسالت کے اسی زریں سلسلہ سے تھا جو اس سے پہلے دنیا میں آتے رہے تھے۔ قرآن نے وقت قیامت کے علم کی نفی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے کرائی ہے بلکہ آپ کی غیب دانی، مالکیت خزائن الٰہی اور آپ کی ملکیت ان سب کی پرزور نفی کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ دنیاوی علوم وفنون سے بھی آپ کی یکسر ناشناسی ظاہر کردی گئی۔ قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امیت یا حرف ناشناسی کی بھی صاف صراحت کردی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تنبیہیں بھی ہیں جیسی کی خالق اپنی محبوب ترین اور مکرم ترین مخلوق سے کرسکتا ہے۔ نساء، انفال، توبہ، احزاب، عبس وغیرہ میں انھیں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل قرآن میں اس کثرت سے ہیں کہ ہر بے تعصب اور انصاف پسند طالب علم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسی پاکیزہ نفس اور جامع اخلاق زندگی بے شک اس قابل تھی کہ اسے ساری نوع انسانی کے سامنے بطور نمونہ ونظیر کے پیش کیا ہے۔ مصنف نے متعدد قرآنی آیات بھی اس ضمن میں پیش کی ہیں۔ آپ رحمۃ للعالمین ہیں، آپ کی اطاعت مخلوق پر واجب ہی نہیں بلکہ مرادف اطاعت الٰہی ہے۔ اس لیے آپ کا ہر قدم اور عمل امت کے لیے واجب النظیر ہے۔ قرآن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ہدایت خلق کی فکر آپ کو کتنی مشقت وتعب میں ڈالے ہوئے ہے۔ آپ کو جن غیر معمولی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور آپ کے استقامت اور ثبات قلب اور ثبات قدم کی جو دولت عنایت ہوئی اس کی بھی صراحت ہے۔ اس طرح اسراء ومعراج، آپ کے اخلاق حسنہ بالخصوص نرم خوئی، افراط شفقت اور دلسوزی، عبادات سے شغف وغیرہ کا دلکش پیرائے میں تذکرہ ملتا ہے۔ حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی کے بعض معاملات پر بھی روشنی ملتی ہے۔ فاضل مصنف نے اس ضمن میں کثرت سے آیات قرآنیہ کو نقل کر کے ان فضائل وخصائص کا احاطہ کیا ہے۔

چوتھا خطبہ رسالت وبشریت کے عنوان سے ہے۔ مصنف کا یہ کہنا بجا ہے کہ پیغمبروں اور ہادیوں کی شخصیتوں پر دنیا کی تاریخ میں برابر یہ ظلم عظیم ہوتا رہا ہے کہ جہاں ایک طرف منکروں اور معاندوں نے ان کے کمالات کی طرف سے یکسر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور تکذیب وانکار کو اپنا شعار بنایا وہیں دوسری طرف ماننے والوں نے بھی عقیدت میں وہ غلو کیا کہ ایلچی کو بادشاہی اور بندہ کو خدائی ہی کے تخت پر بٹھا کر دم لیا۔ قرآن نے اسی شب گمرہی بلکہ اس کی جڑ سے بچانے کے بالواسطہ اور براہ راست دونوں طریقے

پرزور صورت میں اختیار کیے ہیں۔نساء، آل عمران، احقاف، یوسف، نمل، انبیاء وغیرہ میں اس کا بار بار اعادہ ہوا ہے۔اس تکرار سے مقصود مخاطبین کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت اور وفات سے خوب خوب مانوس کر دینا ہے۔اور ایک جگہ تو انتہا یہ ہے کہ اس خاص وصف کے لحاظ سے رسول مقبول اور کفار معاندین کو بالکل ایک ہی صف میں رکھ دیا گیا ہے ''انک میت وانہم میتون''۔قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ عبدیت (انبیاء) کے لیے ننگ و عار کی وجہ نہیں بلکہ فخر ومباہات کی بات ہے۔قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مادی اجزائے جسم اور شکل وشمائل کے اہم جزئیات کا بھی اپنے صفحات میں کر دیا ہے، مثلاً متعدد سورتوں میں آپ کی زبان، قلب، چشم وبصر اور چہرہ وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، نماز اور عام عبادتوں کا بھی تذکرہ متعدد آیات میں ملتا ہے۔

پانچواں خطبہ ہجرت کے عنوان سے ہے۔یہ خطبہ قدرے مختصر ہے۔کفار کی اذیت جب ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا۔کفار کی اذیتوں کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں تفصیل سے ہے۔سورہ انبیاء اور فرقان میں کفار کی نفسانیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ''واذا رآک الذین کفروا ان یتخذونک الا ہزوا، اہذا الذی یذکر آلہتکم ۔۔۔''۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قید میں ڈالنے اور جلاوطن کرنے کے مشورے ہوئے، قتل کر دینے کی سازش رچی گئی۔سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں۔قرآن نے ایجاز وجامعیت کے ساتھ ان منصوبوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مظلومیت اور بے سروسامانی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اتنے لمبے سفر میں مسلسل رفیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک صاحب کو رکھ سکے۔سورہ توبہ میں ہجرت کی ساری تفصیلات موجود ہیں۔

چھٹا خطبہ غزوات ومحاربات کے عنوان سے ہے۔اس ضمن میں جن غزوات کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

غزوہ بدر۔	آل عمران، انفال میں تفصیلات موجود ہیں۔
غزوہ احد۔	آل عمران میں تفصیل بیان ہوئی ہے۔
غزوہ بدر ثانیہ۔	آل عمران میں تفصیل ہے۔
غزوہ بنی نضیر۔	سوہ الحشر میں تفصیل ہے۔
بنی قینقاع۔	حشر میں ضمناً اشارہ ہے۔
بنو قریظہ۔	انفال، احزاب میں ذکر ہے۔
غزوہ احزاب۔	احزاب میں ذکر ہے۔
صلح حدیبیہ۔	سورہ فتح میں ذکر ہے۔
غزوہ خیبر۔	سورہ فتح۔
فتح مکہ۔	فتح، نصر وغیرہ میں اشارہ ہے۔
غزوہ حنین۔	
غزوہ تبوک۔	سورہ توبہ میں اشارہ ہے۔

ساتواں خطبہ معاصرین کے عنوان سے ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب نبوت، پیغام، مخاطبین اور ان کے طرز عمل اور رد عمل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔سب سے پہلے قرآنی آیت کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منصبی حیثیت اور پیغام کو واضح کیا گیا ہے۔پھر

الگ الگ عناوین کے تحت آپ کے معاصرین میں مشرکین، یہود ونصاریٰ، منافقین اور مومنین کے طرز عمل، ان کا اصرار وانکار، اس کی وجہ، ان کے اعتراضات واشکالات، ان کے اتہامات، اسلام اور پیغمبر اسلام کے تئیں ان کا معاندانہ رویہ ان سب پر تفصیل سے قرآنی آیات کے تناظر میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں ان کے اوصاف وکمالات اور ان کے مکر وفریب کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب کا سب سے طویل خطبہ ہے جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔

آٹھواں خطبہ معجزات ودلائل کے عنوان سے ہے۔ معجزہ تقریباً ہر نبی کی زندگی کا ایک لازمی جزء رہا ہے۔ نوح، ابراہیم، ہود، صالح، یونس، شعیب، لوط، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے معجزات تو قرآن مجید میں بھی صراحت سے مذکور ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ وہ کتاب ہے جو آپ پر نازل ہوئی، یہ اور معجزات کی طرح ہنگامی نہیں بلکہ مستقل اور دائمی ہے۔ اس کتاب نے خود بار بار اس دعویٰ اور تحدی کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کیا میں کلام بشر نہیں جس کی مثال اور نظیر ممکن نہیں۔ اگر کسی کو اس کے منزل من اللہ ہونے کے باب میں شبہہ ہے تو وہ ان کی ساری سورتوں کی نہ سہی دس سورتوں کی اور اسے بھی جانے دیں ایک ہی سورت کا جواب ذرا تیار کر لائیں اور اس کے لیے انھیں قیامت تک کی مہلت ہے۔ اہل علم میں یہ بحث شروع سے رہی ہے کہ قرآن کا اعجاز کس پہلو سے ہے؟ فصاحت وبلاغت، نظم کلام، پیشن گوئیاں، غیب سے متعلق اخبار، احکام کی جامعیت اور بلندیٔ تعلیمات کو مختلف گروہوں نے معجزہ قرار دیا ہے۔ لیکن قرآن ان تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ (بنی اسرائیل، ہود اور بقرہ میں قرآن جیسا کلام پیش کرنے کا چیلنج موجود ہے)۔

نواں خطبہ خانگی اور ازدواجی زندگی کے عنوان سے ہے۔ قرآن کریم میں اکثر پیغمبروں کے ساتھ ان کے اہل وعیال کا بھی ذکر آیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کا بھی قرآن کریم میں ذکر ہے اور آپ ﷺ کی خانہ داری اور ازدواجی زندگی قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے۔ بلکہ آیات قرآنیہ میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ کی متعدد ازواج تھیں۔ ان کا مقام ومرتبہ عام مومنات سے بلند وبرتر تھا اور ان کی ذمہ داریاں بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ ان کے لیے شریعت کی عام پابندیوں کے ساتھ ساتھ کچھ احکام خصوصی بھی تھے۔ قرآن کریم میں اس پہلو کو بھی نمایاں کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی معیشی وخانگی زندگی جنت کی نہیں اسی خاکی دنیا کی زندگی تھی۔ جو نوع بشری کے ہر فرد کے لیے نمونہ کا کام دے سکتی تھی۔ پیچیدگیاں اس میں وہی پیش آتی تھیں جو ہر انسان کو اپنی ازدواجی زندگی میں پیش آسکتی ہیں۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حسن معاشرت ومعیشت گویا آپ ﷺ پر ہی ختم تھا۔ عین ناگواری کے وقت بھی رفق وملاطفت کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹنے نہ پایا۔ مومن کا اپنے اہل خانہ کے ساتھ طرز عمل کیا ہو اس پہلو کی بھی نشاندہی ہے۔ افترا پردازی سے کوئی ماحول خالی نہیں ہے۔ واقعہ افک کے ذکر نے امت کے لیے بڑی سے بڑی بدنامی کے بوجھ کو بھی اٹھالینا آسان کر دیا۔

مختصر یہ کہ یہ کتاب سیرت کا قرآنی مرقع ہے۔ اگرچہ اس میں واقعات کی تفصیلات نہیں ہیں لیکن جزئیات کا اس قدر احاطہ ہے کہ اس کی روشنی میں سیرت کا ایک حسین مرقع تیار ہو جاتا ہے۔ کاش مصنف کو اس پر نظر ثانی اور منصوبے کے مطابق نبی کریم ﷺ کی مکی اور مدنی تعلیمات کے اضافہ کا موقع بھی ملا ہوتا تو اس کی افادیت مزید بڑھ جاتی۔ بہر حال نقش اول کی حیثیت سے کتاب میں جو کچھ بھی ہے اس کی افادیت بھی کم نہیں ہے۔ مولف اس عظیم کام کے لیے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

□□□□□

حقیقت دعا و مناجات

سید ثاقب اکبر

سچ نیوز کی 2020 کے رمضان المبارک کی ٹرانسمیشن کے لیے حکمت دعا کے زیر عنوان تیس پروگرام پیش کیے گئے جس میں میزبان مفتی امجد عباس تھے جب کہ ان کے سوالوں کے جوابات جناب سید ثاقب اکبر نے دیے۔ دعا و مناجات کے موضوع پر ان پروگراموں میں نہایت گراں قدر اور مفید مواد پیش کیا گیا۔ اس میں تمام ادیان میں دعا کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی لٹریچر میں موجود دعاؤں کے ذخیروں اور مناجات کی کتابوں کا بھی تعارف کروایا گیا ہے۔ عرفا و شعرا نے دعاؤں پر جو کچھ اظہار خیال کیا ہے اس کا بھی کچھ تعارف کروایا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاء کی دعاؤں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کے پہلے پروگرام میں بیان کیے گئے مطالب ہم نمونے کے طور پر پیام کے قارئین کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ اس میں قرآن حکیم میں کلمہ دعا کو جن مفاہیم میں بروئے کار لایا گیا ہے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ امید ہے قارئین کے یہ مطالب مفید واقع ہوں گے۔ (ادارہ)

مفتی امجد عباس:

ماہ رمضان المبارک میں جہاں عبادات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے وہاں اس ماہ کی دعائیں بھی روایات میں موجود ہیں، آج ہم ثاقب اکبر صاحب سے گذارش کریں گے کہ وہ دعا کی حقیقت کے بارے میں ہمارے ناظرین کو آگاہ فرمائیں۔

سید ثاقب اکبر:

دعا کا موضوع ایک اہم موضوع ہے جس کا سچ ٹی وی نے انتخاب کیا ہے۔ ماہ رمضان المبارک بنیادی طور پر عبادات اور دعاؤں کا مہینہ ہے۔ دعا ویسے تو بہت ہی جامع عنوان ہے۔ روحِ دعا خدا سے ارتباط سے عبارت ہے یعنی جب بندے کا یا بندوں کے گروہ کا اپنے اللہ سے ارتباط ہوتا ہے اور وہ اللہ کو پکارتا ہے تو اسے ہم دعا کہتے ہیں۔ اس کے مفاہیم میں پکارنا، بات کرنا، لفظوں سے اپنی بات کا اظہار کرنا شامل ہے، اس لیے اسے دعا کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب سے انسان ہے، تب سے دعا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ۔

(الاسراء۔ ۴۴)

سات آسمان اور زمین نیز جو کچھ ان میں ہے ہر کوئی اُس کی تسبیح کرتا ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

دعا کی روح میں تسبیح اور حمد بھی شامل ہے گو یا دعا پوری کائنات کے اندر سمائی ہوئی ہے۔ جب سے انسان ہے دعا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاءؑ سے دعائیں منقول ہیں۔ غیر از انبیاء اولیاء کی دعاؤں کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ قرآن کریم نے بھی دعا کے آداب تعلیم کیے ہیں۔ دعا کے بارے میں آیات بتاتی ہیں کہ اللہ کو بندے کا دعا کرنا محبوب ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعا کتنی اہم ہے۔ اس سے اس موضوع کی اہمیت بھی عیاں ہوتی ہے۔

مفتی امجد عباس:

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر لفظ دعا کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں اس موضوع پر روشنی ڈالیں۔

سید ثاقب اکبر:

دعا کا ایک روحانی پہلو ہے، اسی طرح اس کلمے کا لغوی استعمال بھی ہے، مثال کے طور پر اگر ہم دیکھیں کہ قرآن مجید میں سورہ آل عمران میں ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ۔ آل عمران۔ ۳۸

یہ حال دیکھ کر زکریاؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ پروردگارا! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر تو ہی دعا سننے والا ہے۔

اس میں اگر دیکھا جائے کہ کلمہ ''دعا زکریا'' یعنی پکارا زکریاؑ نے اپنے پروردگار کو۔ جب حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کو دیکھا کہ اللہ نے ان پر مہربانیاں کی ہیں اور ان پر نعمات اتاری ہیں تو ان کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ اے اللہ اگر میری بھی کوئی اولاد ہوتی تو اُس پر بھی تیری مہربانیاں ہوتیں اگر چہ ان کی زوجہ عمر رسیدہ اور بانجھ تھیں اور وہ خود بھی بوڑھے تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے اللہ سے نیک اولاد کے لیے دعا کی۔ اس آیت میں دوسری بات یہ ہے کہ انھوں نے صرف اولاد نہیں مانگی بلکہ پاک اولاد مانگی ہے۔ انھوں نے اللہ کو سننے والا سمجھتے ہوئے اسے پکارا ہے۔

کلمہ ''دعا'' سوال کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گائے کا واقعہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو چونکہ بنی اسرائیل گائے ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے تو وہ طرح طرح کے سوالات کرتے تھے۔ سوال کرنے کے معنی میں یہاں لفظ ''دعا'' استعمال ہوا ہے قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ (البقرہ۔ ۷۰) کہ گائے کے بارے میں سوال کیجیے کہ وہ گائے کیسی ہو؟

اسی طرح قرآن کریم میں ''دعا'' فریادرسی کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ سورۃ انعام میں ہے:

قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔۔۔ (انعام۔ ۴۰)

ان سے کہو کہ ذرا غور کر کے بتاؤ کہ اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے یا آخری گھڑی آپہنچتی ہے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ یہ پکارنا کس معنی میں ہے؟ ظاہر ہے کہ فریادرسی چاہنے کے معنی میں ہے۔ مشکل میں اگر کوئی گھر جائے تو وہ کیوں پکارتا

ہے۔ پس یہاں دعا، فریاد رسی کے معنی میں ہے۔

بعض اوقات یہی کلمہ ترغیب کے لیے اور تشویق کے لیے بھی آیا ہے جیسا کہ سورہ یونس میں ہے:

وَاللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۔ (یونس۔ ۲۵)

اللہ تمھیں دار سلام کی جانب رغبت دیتا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی جانب ہدایت کرتا ہے۔

یہاں پر یہ بھی بات آ گئی کہ اللہ بھی دعوت دیتا ہے پکارتا ہے جیسا کہ ہم اللہ کو پکارتے ہیں ویسے ہی اللہ بھی پکارتا ہے۔ یہ پکار دو طرف سے ہے۔ ہم بھی سلامتی چاہتے ہیں اور وہ بھی سلامتی کے گھر کی جانب دعوت دیتا ہے۔ ہمارے پکارنے میں کچھ مسائل ممکن ہیں لیکن اللہ کی دعوت، ترغیب ہمیشہ دار السلام کی جانب ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے انبیاء اور اُن کے اوصیاء کی دعوت بھی ہمیشہ سلامتی کی جانب ہوتی ہے۔ وہ تباہی، بربادی اور غیر سلامتی کی جانب دعوت نہیں دیتے۔ یہ ایک معیار بھی ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں اللہ کی جانب پکارتا ہوں تو دیکھنا چاہیے کہ وہ دار السلام کی جانب پکار رہا ہے یا تباہی کی جانب۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ اللہ کی دعوت دینے والا نہیں ہے۔

کلمہ ''دعا'' مدد اور استمداد کے لیے بھی استعمال ہوئی ہے:

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (البقرہ۔ ۲۳)

اگر تم کو شک ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نہیں ہے تو پھر اس کی مانند سورۃ لے کر آؤ اور آگے کہا گیا ہے کہ اپنے ہمنواؤں کو بھی لے آؤ۔

یعنی ان سے مدد طلب کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو بلاؤ۔

''دعا'' کا ایک اور معنی نام رکھنا بھی کیا گیا ہے۔ سورۃ نور میں ہے:

لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا (النور۔ ۶۳)

کہ مسلمانو! رسول کے بلانے کو ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھو یعنی ایسے مت پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

دیکھا جائے تو لفظ دعا کے قرآن حکیم میں چھ مختلف پہلو یا مشتقات بیان کیے گئے ہیں البتہ ہمارا موضوع جس پر ہم بات کر رہے ہیں یعنی حکمت دعا تو اس سے مراد اللہ سے ارتباط، اسے مدد کے لیے پکارنا ہی ہے۔

مفتی امجد عباس:

ان بیان کردہ مفاہیم میں کلی طور پر پکارنا سبھی میں مشترک ہے۔ دعا عبد اور معبود کے مابین رابطہ ہے۔ دعا کے ساتھ لفظ مناجات بھی استعمال ہوتا ہے کیا ان دونوں الفاظ اور ان کے مفہوم میں کوئی فرق ہے یا یہ دونوں ایک ہیں؟

سید ثاقب اکبر:

یہ ایک اہم موضوع ہے۔ دعا بندے اور خدا کے مابین ارتباط ہے، کبھی آپ چاہتے ہیں کہ فقط خدا ہی آپ کی بات سنے کوئی اور نہ سنے۔ جب اللہ سے بات کرنی ہے تو ضروری نہیں ہے کہ کوئی اور اس بات کو سنے۔ ''مناجات'' یعنی سرگوشی، یہ لفظ ''نجویٰ'' سے نکلا ہے یعنی دھیرے دھیرے خدا کو پکارنا۔ بعض اوقات دوسرے کا سننا مناسب نہیں ہوتا۔ اسی لیے قرآن حکیم میں متعدد آیات میں خفیہ طور پر پکارنے سے متعلق آیات آتی ہیں۔ یہیں سے مناجات کے لفظ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ضروری نہیں لفظ مناجات یا اس کے مشتقات استعمال کیے گئے ہوں اگرچہ قرآن حکیم میں اس کے مشتقات بھی آئے ہیں لیکن قرآن میں کہا گیا ہے کہ تضرع وزاری کے ساتھ اور خفیہ طریقے سے اللہ تعالی کو پکارنا چاہیے۔ میں دو مثالیں پیش کروں گا۔ سورۃ اعراف میں ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً- اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اعراف۔ ۵۵)

اپنے رب کو پکار گڑگڑا کر اور خفیہ طور پر اللہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہاں دیکھنے کی ضرورت ہے کہ تجاوز کرنے والوں سے کیا مراد ہے۔ اس کا معنی ایک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ تنہا ہیں تو مناسب انداز سے اللہ سے ارتباط کریں چیخ پکار سے گریز کریں۔ اس کے اور بھی معنی ہو سکتے ہیں البتہ کلی طور پر اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کو کسی بھی مسئلے میں حد سے تجاوز پسند نہیں ہے۔

ایک اور جگہ پر فرمایا گیا ہے:

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (اعراف۔ ۲۰۵)

یعنی اے نبیؐ اپنے رب کو صبح وشام دل ہی دل میں یاد کیا کرو، ورع اور خوف کے ساتھ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

ان آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مناجات کے آداب اللہ نے ہمیں سکھائے ہیں۔ اس میں بعض اوقات بہت لطف آتا ہے۔ اللہ کے بعض بندے ''بکائین'' کے نام سے معروف ہیں۔ امام حسینؑ کے بارے میں ہے کہ میدان عرفات میں آپ اپنے خیمے سے باہر نکلے اور آپ اللہ سے دعا کر رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے یوں آنسو بہ رہے تھے گویا پانی کی دو مشکیں بہ رہی ہوں۔ یہ تضرع کی کیفیت اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہے چونکہ ان افراد کی اللہ کی کبریائی پر نظر ہوتی ہے تو یہ لوگ اللہ کو خشیت کے ساتھ پکارتے ہیں۔ امیر المومنین امام علیؑ کے بارے میں ہے کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

□□□□□

قرآن کا طرزِ استدلال

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

دوسری صدی ہجری میں جب یونانی فلسفہ مسلمانوں کے درمیان بحث کا عنوان بنا تو ان علوم وافکار کے زیر اثر، اُس زمانے کے 'دانش وروں' نے اسلامی عقائد کے بارے میں بے شمار اشکالات اور فکری مغالطوں کی تردید کے لیے فلسفیانہ سوالات کی عقلی بنیادوں پر تردید کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ مسلمانوں میں ایک نیا علم، علم کلام وجود میں آیا، جس میں فلسفے کی طرح کسی بات کے اثبات وتردید کے لیے دلیل دینے کے طریقے رائج ہوئے۔ بلاشبہہ اس ذریعے سے اس دور کے اہلِ علم نے یونانی فلسفے کی زہرناکی کا مؤثر علاج کیا۔ اس طرح نہ صرف عقلِ سلیم کو متاثر کیا بلکہ تہذیب نفس کا کام بھی کیا۔

علم کلام اور قرآنی استدلال کا فرق

امام غزالی [م: ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء] نے اپنے زورِ استدلال سے یونانی فلسفہ سے مرعوب ذہنوں کے سامنے یونانی فلسفے کی کمزوری کو عیاں کیا۔ وہ قرآنی دلائل اور فلسفیانہ طرزِ فکر رکھنے والے متکلمین کے دلائل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قرآنی دلائل غذا کی مانند ہیں، جس سے ہر انسان استفادہ کرتا ہے، جب کہ متکلمین کے دلائل دوا کی طرح ہیں جس سے کچھ لوگوں کو تو فائدہ ہوتا ہے لیکن ایک بڑی تعداد کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ قرآنی دلائل پانی کی مثل ہیں، جس سے دودھ پیتا بچہ اور تنومند شخص، دونوں ہی فائدہ اٹھاتے ہیں، جب کہ دوسرے دلائل [مرغن] کھانوں کی طرح ہیں، جن سے صحت مند اور طاقت ور لوگوں کو تو کبھی فائدہ ہوتا ہے اور کبھی نقصان، لیکن دودھ پیتے بچے اس سے بالکل فائدہ نہیں اٹھا سکتے'' (علم الکلام، ص ۲۰)۔

مراد یہ کہ جن ذہنوں کو یونانی فلسفے نے پریشاں فکری میں مبتلا کر دیا ہو، ممکن ہے کہ منطقی دلائل سے ان کی تشفی ہو جائے، لیکن اس چیز کا امکان موجود ہے کہ اکثر لوگوں کو یہ اسلوب الٹا شکوک وشبہات میں مبتلا کر دے، جب کہ قرآنی دلائل اپنی سادگی کے باعث غذا اور پانی کی طرح ہر ذہنی سطح کے فرد کی پیاس اور بھوک مٹا سکتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی [م: ۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء] متکلمین وفلاسفہ کے امام ہیں اور مفسر قرآن بھی۔ وہ تفسیر کبیر میں قرآنی طرزِ استدلال کی افادیت یوں بیان کرتے ہیں: ''قرآن کا دلیل دینے کا انداز عوام الناس کے ذہنوں کے زیادہ قریب ہے اور ان کی عقلوں میں بات بٹھانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ قرآنی دلائل کو انسانی ذہنوں کے قریب تر ہی ہونا چاہیے تاکہ خواص وعوام اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ پھر یہ ہے کہ قرآنی دلائل کا مقصد بحث ومناظرہ نہیں بلکہ صحیح عقائد کو دل نشین کرانا ہے اور اس مقصد کے لیے اس قسم کے

دلائل دوسری قسم کے دلائل سے زیادہ مضبوط اور مؤثر ہوتے ہیں'' (تفسیر کبیر، ج ۲،ص ۹۸)۔

زندگی کے آخری دنوں میں امام رازی نے جو وصیت اپنے شاگرد ابراہیم اصبہانی کو تحریر کرائی، اس میں بھی کلام وفلسفہ اور قرآن کے بارے میں انھوں نے کہا: ''میں نے فلسفہ وکلام کے طریقوں کو آزما لیا، لیکن مجھے ان میں کوئی ایسا فائدہ نظر نہ آیا جو اُس فائدے کے برابر ہو، جو میں نے قرآن میں پایا ہے۔ اس لیے کہ قرآن، اللہ کی عظمت کو منواتا ہے اور خواہ مخواہ کی باریک بینی اور موشگافی سے بچاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جانتا ہے، انسانی عقلیں ان طویل اور تنگ گھاٹیوں اور خفیہ راستوں میں بھٹک کر رہ جاتی ہیں'' (طبقات الشافعیہ، ج ۸،ص ۹۱)۔

ابن کثیر [م: ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء] کے مطابق امام رازی نے لکھا ہے: ''میں کلام اور فلسفے کے طریقوں کو آزما چکا ہوں۔ یہ نہ تو کسی پیاسے کی پیاس بجھا سکتے ہیں اور نہ کسی بیمار کو شفا دے سکتے ہیں۔ اس کام کے لیے تمام راستوں کے مقابلے میں قریب ترین راستہ قرآن کا راستہ ہے'' (البدایہ والنھایہ، ج ۱۳،ص ۵۶)۔

امام ابن تیمیہ (م: ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) کے مطابق متکلمین وفلاسفہ کے طرزِ استدلال میں غیر ضروری طوالت اور تکلفات سے کام لیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''اہل کلام وفلسفہ نے مطالب الٰہیہ پر جو عقلی دلائل قائم کیے ہیں، ان کے مقابلے میں قرآن مجید کے دلائل کہیں زیادہ مکمل، بلیغ اور مؤثر ہیں۔ پھر اس کے ساتھ وہ ان بڑے مغالطوں سے بھی پاک وصاف ہیں، جو فلسفیوں اور متکلمین کے دلائل میں پائے جاتے ہیں'' (الرّد علی المنطقیین ص ۳۲۱، ۲۵۵)۔

قرآنی استدلال کا آغاز خشک اور پیچیدہ متکلمانہ مقدمات سے نہیں ہوتا بلکہ ہر مخاطب کی ذہنی سطح کے اعتبار سے قرآن حجت پیش کرتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے پاس جب ان کے ہم نشین دو قیدی اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے آئے، تو انھوں نے تعبیر بتانے کے وعدے کے ساتھ ان کے سامنے ایک سوال رکھا:

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف ۱۲:۳۹)

کیا بہت سے متفرق ربّ بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟

آقا وغلام کی معاشرتی حیثیت سے واقف ہر شخص کے لیے سوال کا یہ انداز جتنا عام فہم ہے، لامحالہ اس کا جواب ایک ہی ہے، خواہ اس سوال کا مخاطب اَن پڑھ ہو یا اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ یہ تو ممکن ہے کہ اس سوال کے جواب میں اَن پڑھ اتنا ذہنی وروحانی لطف نہ اٹھائے جتنا کہ ایک تعلیم یافتہ اس سے لذت پائے گا لیکن کوئی تعلیم یافتہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سوال عامیانہ ہے، میرے علمی مرتبے کے مطابق نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن جب یہ کہتا ہے کہ:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء ۲۱:۲۲)

اگر آسمان اور زمین میں ایک اللہ کے علاوہ دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین وآسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔

لہٰذا، اس آیت میں بتائی گئی حقیقت سے کسی سطح کا آدمی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ کوئی خاندان ہو یا ملک، اگر اس کے سربراہ ایک سے زائد ہوں گے تو نتیجہ کیا ہوگا۔

محسوس واقعات کے ذریعے غیر محسوس حقائق پر استدلال

قرآن محسوس واقعات کے ذریعے غیر محسوس حقائق پر استدلال کرتا ہے۔

اَبرہہ کے ہاتھیوں کے ساتھ آنے والے ۶۰ ہزار کے لشکر کے مقابلے کا تصور عرب کے منتشر قبائلی معاشرے میں ممکن ہی

نہ تھا۔اس موقعے پر خود مجاورینِ کعبہ (قریش) نے ۳۶۰ بتوں کی موجودگی کے باوجود صرف ایک ربّ سے اپنے گھر کی حفاظت کی فریاد کی تھی، کسی دیوتا کو نہیں پکارا تھا۔تمام جاہلی شاعری بھی اس واقعے پر گواہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس محسوس واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے کس طرح غیر محسوس حقیقت کی طرف متوجہ کیا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (الفیل ۱۰۵:۱)

تم نے دیکھا نہیں کہ تیرے ربّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟

اصحاب الفیل کے ساتھ جو کچھ کیا وہ 'تیرے ربّ' یعنی محمدؐ کے ربّ نے کیا۔اس لیے کہ اس اکیلے ربّ کی طرف تو محمدؐ ہی دعوت دے رہے تھے، جب کہ مشرکین قریش کو تو ایک ربّ کی بات سننا بھی گوارا نہ تھی۔حالانکہ اس حقیقت کا مشاہدہ ہی نہیں بلکہ اپنی زبانوں سے اس کا اقرار خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر تمام سرداران قریش چالیس پینتالیس سال پہلے کر چکے تھے۔

اسی طرح سورۂ قریش جو درحقیقت سورۂ فیل ہی کے مضمون کی تکمیل کرتی ہے، محسوس واقعے کو غیر محسوس حقیقت کے ماننے پر متوجہ کرتی ہے۔دور جاہلیت میں عرب میں ہر طرف قافلے لٹتے تھے، لیکن مجاورینِ کعبہ ہونے کے باعث قریش کے تجارتی قافلوں کو عقیدت واحترام سے گزرنے دیا جاتا تھا۔امن وامان کی اس گارنٹی کے باعث قریش کو عرب میں تجارتی اجارہ داری حاصل تھی اور حرم کے نذرانوں کی آمدن الگ تھی۔عرب کی معاشی بدحالی اور بھوک کے زمانے میں قریش کو وافر سامانِ طعام ملا اور بدامنی کے خوف کے دنوں میں امن وامان ملا۔اس کا وہ کیسے انکار کر سکتے تھے کہ یہ سب کچھ انھیں خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے ملا ہے۔قرآن نے بھوک اور خوف کی جگہ کھانے اور امن کے محسوس واقعے کا حوالہ دے کر ربّ کی عبادت کی طرف متوجہ کیا:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۔ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (القریش ۱۰۶:۳-۴)

پس انھیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔

مخاطب کے اقرار پر مبنی دلائل

قرآنی دلائل مخاطب کے اقرار پر مبنی ہوتے ہیں یا ایسے قوانین فطرت کے بیان پر مبنی ہوتے ہیں، جو کائنات میں اٹل اور مستقل اصول کی حیثیت سے جاری ہیں۔چونکہ قرآن کے مخاطب وجود باری کے منکر نہ تھے، اس لیے وجود باری پر براہ راست دلائل دینے کے بجائے بالواسطہ طور پر صفات باری کے بیان کے ذریعے ایسے خالق کا وجود منوایا گیا، جو قادرِ مطلق اور خلّاقِ عظیم ہے، جو قہّار وجبّار ہونے کے ساتھ ستّار وغفّار ہے، جو بصیر وعلیم ہونے کے ساتھ رحیم وکریم ہے۔اسی کو بنیاد بناتے ہوئے ان کے شرک کے بودے پن کو نمایاں کیا گیا:

ان سے پوچھو، کون تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جان دار کو اور جان دار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ اور کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو پھر اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ (یونس ۱۰:۳۱)

مخاطب عوام ہوں یا ان کے اہل فکر، خدا کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے تھے، البتہ شرک کرتے تھے۔وجود باری پر دلیل اس لیے نہیں دی گئی کہ دلائل کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں دلیل دعوے سے زیادہ واضح ہو۔یہاں تو دعویٰ بذات خود واضح تھا۔

آفاق وانفس میں غور وفکر کی دعوت

علوم قرآن کے ماہرین نے قرآنی دلائل کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا ہے:

(۱) دلائل عقلی (۲) دلائل نقلی۔

دلائل عقلی کی بنیاد یہ آیت ہے: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (حم السجدہ ۴۱: ۵۳) ’’عنقریب ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے‘‘۔

امام قرطبیؒ نے آفاق و انفس کا یہ مفہوم نقل کیا ہے: ’’آفاق سے مراد ہیں آسمانوں اور زمین کے اطراف میں موجود قدرت کی نشانیاں، مثلاً سورج، چاند، ستارے، رات اور دن، ہوائیں اور بارشیں، گرج چمک، کڑک، سبزہ، درخت، پہاڑ اور دریا وغیرہ، اور انفس میں انسانوں کے نفسوں میں لطیف صنعت اور عجیب و غریب حکمت کی جانب اشارہ ہے‘‘ (تفسیر قرطبی، ج ۱۵، ص ۲۴۴)۔

مولانا مودودیؒ [م: ۱۹۷۹ء] آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ’’اللہ تعالیٰ آفاق ارض و سماء میں بھی اور انسانوں کے اپنے وجود میں بھی لوگوں کو وہ نشانیاں دکھائے گا، جن سے ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن جو تعلیم دے رہا ہے، وہی برحق ہے‘‘ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۴۷۰)۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ [م: ۱۹۹۷ء] کے مطابق: ’’آفاقی دلائل سے مراد کائنات میں موجود شواہد ہیں۔ مثلاً رات دن کا تسلسل، سورج اور چاند کی گردش، ہواؤں کے تصرفات، پہاڑوں اور سمندروں کے عجائبات، وسائل رزق کا انتظام وغیرہ۔ دلائل انفس سے مراد انسانی نفسیات اور اس کے اندر ودیعت کردہ حقائق و مسلمات ہیں‘‘۔ (اصول فہم قرآن، ص ۹)

اسی بات کو ایک جگہ یوں فرمایا:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ. وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات ۵۱: ۲۰-۲۱)

’’زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین والوں کے لیے اور خود تمھارے اپنے وجود میں ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟‘‘۔

انفسی دلائل (انسانی وجود پر مبنی دلائل):

انسانوں کے اپنے اندر یہ ودیعت کردہ حقائق کیا ہیں؟ ان کی ایک مثال ملاحظہ کریں، فرمایا: وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامۃ ۷۵: ۲) ’’اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی‘‘۔

’نفس لوّامہ‘ کیا ہے؟ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے مطابق یہ وہ نفس ہے، جو غلط کام کرنے یا غلط سوچنے یا بری نیت رکھنے پر نادم ہوتا ہے اور انسان کو اس پر ملامت کرتا ہے اور اسی کو ہم آج کل کی اصطلاح میں 'ضمیر' [Conscience] کہتے ہیں: اس ضمیر میں لازماً برائی اور اچھائی کا ایک احساس پایا جاتا ہے، اور چاہے انسان کتنا ہی بگڑا ہوا ہو، اس کا ضمیر اسے کوئی برائی کرنے اور کوئی بھلائی نہ کرنے پر ضرور ٹوکتا ہے۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ انسان نرا حیوان نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی وجود ہے۔ اس کے اندر فطری طور پر بھلائی اور بُرائی کی تمیز پائی جاتی ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو اپنے اچھے اور بُرے افعال کا ذمہ دار سمجھتا ہے اور جس برائی کا ارتکاب اس نے دوسروں کے ساتھ کیا ہو، اس پر اگر وہ اپنے ضمیر کی ملامتوں کو دبا کر خوش بھی ہو لے، تو اس کے برعکس صورت میں، جب کہ اُسی برائی کا ارتکاب کسی دوسرے نے اس کے ساتھ کیا ہو، اس کا دل اندر سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس زیادتی کا مرتکب ضرور سزا کا مستحق ہونا چاہیے۔ اب اگر انسان کے وجود میں اس طرح کے ایک نفس لوامہ کی موجودگی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، تو پھر یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ یہی نفس لوّامہ زندگی بعدِ موت کی ایک ایسی شہادت ہے جو خود انسان کی فطرت میں موجود ہے، کیونکہ فطرت کا یہ تقاضا کہ اپنے جن اچھے اور بُرے اعمال کا انسان ذمہ دار ہے، ان کی جزا یا سزا اس کو ضرور ملنی چاہیے، زندگی بعد

موت کے سوا کسی صورت میں پورا نہیں ہو سکتا'' (تفہیم القرآن ج ۶، ص ۱۶۳)۔

اسی سورت میں آگے یہ فرمایا:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ. وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ (القیامۃ ۱۵-۱۴: ۷۵)

بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے، چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''ہر انسان خوب جانتا ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ اپنے آپ کو جاننے کے لیے وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا اسے بتائے کہ وہ کیا ہے؟ ایک جھوٹا دنیا بھر کو دھوکا دے سکتا ہے، لیکن اسے خود تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ایک گمراہ آدمی ہزار دلیلیں پیش کر کے لوگوں کو یہ یقین دلا سکتا ہے کہ وہ جس کفر یا دہریت یا شرک کا قائل ہے، وہ درحقیقت اس کی ایمان دارانہ رائے ہے، لیکن اس کا اپنا ضمیر تو اس سے بے خبر نہیں ہوتا کہ ان عقائد پر وہ کیوں جما ہوا ہے؟'' (تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۱۶۷)۔

کہیں انسان کے غرور نفس اور اللہ کے سامنے اس کی بے بسی کو یوں بیان کیا:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۙ. الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ. فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ . (الانفطار ۸-۶: ۸۲)

اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اُس ربِ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نِک سُک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا، اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا؟

آفاقی دلائل:

انسان کو اپنی تخلیق اور اس کی ذات کے مختلف پہلوؤں کی طرف دعوت غور و فکر دینے کے ساتھ ساتھ قرآن نے بے شمار مقامات پر انسان کے ارد گرد پھیلی کائنات (آفاق) پر بھی اسے غور کرنے کی دعوت دی ہے:

بے شک آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے اختلاف میں، اُن کشتیوں میں جو لوگوں کی نفع رسانی کی چیزیں اٹھائے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اُوپر سے برساتا ہے، پھر اس کے ذریعے مُردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے چوپائے پھیلائے، ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان پابند ہیں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں (البقرہ ۲: ۱۶۷)۔

اس آیت میں گیارہ چیزوں کو توحید کے حق میں دلائل کے طور پر پیش کیا گیا۔ سورۂ انعام کی آیات ۹۰ تا ۹۹ میں اللہ نے سترہ چیزوں کو اپنی توحید کے اثبات میں دلائل کے طور پر پیش کیا ہے۔ سورۂ نحل کی آیات ۳ تا ۱۳ میں زمین و آسمان، جانوروں اور پرندوں کی تیرہ نشانیوں کو علم و حکمت رکھنے والی ذات واحد کے وجود کی کھلی دلیل قرار دیا۔ اس موضوع پر سیکڑوں آیات ہیں جو انتہائی عام فہم اور دل نشین انداز میں اللہ کی یکتائی کے اوپر قطعی دلیل ہیں اور ان سے جہاں ایک تعلیم یافتہ آدمی اپنی ذہنی و فکری رہنمائی کا سامان پاتا ہے وہاں ایک اَن پڑھ دیہاتی بھی ان پر جھوم اٹھتا ہے۔

نقلی دلائل (تاریخی واقعات پر مبنی دلائل):

قرآن نے عقائد اسلام کے اثبات پر عقلی دلائل کے ساتھ نقلی دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

انبیاء کی دعوت:

اس کے لیے مشاہیر انبیاء کے اپنی اپنی قوم سے جو مکالمے ہوئے، ان کو بیان کیا ہے۔ تمام انبیاء کی دعوت میں ایک بنیادی بات جو مشترک ہے، وہ اللہ کی عبادت اور شرک سے اجتناب ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل ۱۶:۳۶)

اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبردار کر دیا کہ ''اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔

سورۂ اعراف میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، اور حضرت شعیبؑ اپنی اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے ایک ہی جملے کا بار بار تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف ۸۵، ۷۳، ۶۵، ۷:۵۹)

اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔

مختلف مقامات پر قرآن نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کی دعوت بھی یہی بیان کی ہے:

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ (عنکبوت ۲۹:۱۶)

اور ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو۔

اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلی وحی میں یہ تاکید کی:

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ (طٰہٰ ۲۰:۱۴)

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، پس تو میری بندگی کر۔

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ (المائدہ ۵:۷۲)

مسیحؑ نے کہا: اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی۔

اہلِ حق کی سیرت سے استدلال:

قرآن کریم نے آزمایش میں توحید پر ثابت قدم رہنے والے اپنے اولیاء کے واقعات سے بھی استدلال کیا ہے۔ اس لیے کہ ان کا کردار بھی توحید کی حقانیت اور صداقت کی تاریخی دلیل ہے، مثلاً 'اصحاب الکہف' (غاروالوں) کا ذکر۔ جب ان پر اپنی مشرک قوم کی اذیتیں ناقابل برداشت ہوگئیں تو وہ ہجرت کر کے ایک غار میں جا چھپے اور اللہ نے انھیں کم و بیش تین سو سال سلائے رکھا۔ یہ واقعہ اللہ کی توحید وقدرت اور موت کے بعد کی زندگی کے وقوع پر نقلی دلیل کے طور پر بیان ہوا ہے:

ہم ان (اصحاب کہف) کا اصل قصہ تمھیں سناتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے ربّ پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔ ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب وہ اٹھے اور انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ''ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بے جا بات کریں گے''۔ (پھر انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا) ''یہ ہماری قوم تو رب کائنات کو چھوڑ کر دوسرے خدا بنا بیٹھی ہے۔ یہ لوگ ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟'' (الکہف ۱۸: ۱۳-۱۴)

تفہیم القرآن کے مطابق یہ نوجوان ۲۵۰ء سے ۴۴۶ء تک ،یعنی تقریباً دوسو سال تک سوئے رہے۔ ترکی کے شہر ازمیر (سمرنا) کے قریب شہر افسس کے کھنڈرات موجود ہیں، جہاں مشرک بادشاہ دقیانوس یا دَقیُوس کے ظلم کے باعث وہ غار میں پناہ گزیں ہوئے اور عیسائی بادشاہ تھیوڈوسیس ثانی کے دور میں بیدار ہوئے (تفہیم القرآن، ج ۳،ص ۱۳)۔

قرآن میں ایک واقعہ 'اصحاب الاخدود' کے مقابل ان اولیاء اللہ کا بیان ہوا ہے، جنھوں نے 'اصحاب الاخدود' کے وحشیانہ مظالم کے مقابلے میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا تھا اور اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر عقیدۂ توحید کے برحق ہونے کی شہادت دی تھی:

> مارے گئے گڑھے والے۔ (اس گڑھے والے) جس میں خوب بھڑکتے ہوئے ایندھن کی آگ تھی۔ جب کہ وہ اس گڑھے کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ وہ ایمان لانے والوں کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے۔ اور ان اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اُس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے، جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے، اور وہ خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ (البروج ۸۵: ۴-۹)

ابن ہشام، طبرانی اور ابن خلدون کے مطابق نجران (یمن) کے یہودی بادشاہ ذونواس نے دین مسیح کے بیس ہزار پیروکاروں کو اپنا دین ترک نہ کرنے کی پاداش میں آگ میں بھرے گڑھوں میں پھینک کر جلوا دیا۔ (تفہیم القرآن، جلد ۶ ص ۲۹۷-۲۹۸)

یہ واقعہ اکتوبر ۵۲۳ء میں پیش آیا تھا۔ نزول قرآن سے تقریباً نوے سال قبل کے اس واقعہ کو قرآن نے ایک تاریخی دلیل کے طور پر نقل کیا ہے کہ اولیاء اللہ صرف اللہ کی عبادت کرتے اور غیبی امداد کے لیے اسی کو پکارتے تھے۔

حکماو دانش وروں کا تذکرہ:

ہر دور میں ایسے دانش مند حکما موجود رہے ہیں، جن کی حکمت و دانش کی باتیں بعد کے ادوار میں بھی زبان زد عام رہی ہیں۔ قرآن ان کی حکمت آمیز باتوں کو بھی عقائد کی تفہیم کا ذریعہ بناتا ہے۔ ایسی شخصیات میں سے ایک حکیم لقمان ہیں، جو نہ صرف مکارم اخلاق کے معلم تھے بلکہ اللہ کی توحید کے علَم بردار بھی تھے۔ امام سعید بن مسیب [م:۷۱۵ء] کے مطابق لقمان نسلی اعتبار سے سوڈانی تھے، جنھیں اللہ نے حکمت و دانائی سے نوازا تھا، مگر وہ نبی نہیں تھے۔ مدین اور ایلا کے علاقے میں رہنے کے باعث ان کی زبان عربی تھی اور ان کی شخصیت عرب میں ایک حکیم و دانا کی حیثیت سے معروف تھی۔ شعرائے جاہلیت امرؤالقیس بن حجر [م: ۵۴۴ء]، طرفہ بن العبد [م:۵۶۹ء]، اعشیٰ [م:۶۲۹ء] اور لبید بن ربیعہ عامری [م:۶۶۱ء] کے کلام میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

اوّلین سیرت نگار ابن اسحاق [م:۱۵۰ھ/ ۷۶۸ء] کے مطابق یثرب کے خاندان عمرو بن عوف (بنو اوس) کا ایک شخص سوید بن صامت حج کے لیے مکہ آیا۔ وہ اپنی قوم میں ''الکامل'' کے لقب سے مشہور تھا۔ حضورؐ سے ملاقات میں اس نے بتایا کہ اس کے پاس لقمان کی حکیمانہ باتوں کا مجلّہ ہے۔ اس نے اس میں سے جب کچھ سنایا تو آپؐ نے ان باتوں کو سراہا اور فرمایا: میرے پاس اس سے بھی بہتر کلام ہے۔ پھر قرآن پڑھ کر سنایا تو سوید نے قرآن کی تعریف کی۔ یثرب پہنچنے کے بعد اسے بنوخزرج نے قتل کر دیا۔ ان کے خاندان کے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (سیرت ابن ہشام، ص ۳۷۳-۳۷۴)

قرآن نے حکیم لقمان کی باتیں نقل کی ہیں:

یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا: ''بیٹا، خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔ (لقمان ۳۱:۱۳)

مولانا مودودی آیت کے سیاق وسباق میں لکھتے ہیں: ''شرک کی تردید میں ایک پُرزور عقلی دلیل پیش کرنے کے بعد اب عرب کے لوگوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ معقول بات آج کوئی پہلی مرتبہ تمھارے سامنے پیش نہیں کی جا رہی ہے بلکہ پہلے بھی عاقل ودانا لوگ یہی بات کہتے رہے ہیں اور تمھارا اپنا مشہور حکیم، لقمان اب سے بہت پہلے یہی کچھ کہہ گیا ہے''۔ (تفہیم القرآن، ج ۴ ،ص ۱۳)

(لقمان نے کہا تھا) کہ ''بیٹا کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو، اللہ اسے نکال لائے گا۔ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔ بیٹا، نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر، اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر، اپنی آواز ذرا پست رکھ، سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے''۔ (لقمان ۳۱:۱۶-۱۹)

نازل شدہ کتابوں کی گواہی:

اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن نے تاریخی دلیل کے طور پر پہلی آسمانی کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں تاکہ ان کتابوں کے ماننے والوں پر حجت تمام ہو جائے مثلاً: ''اور بے شک ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعۂ ہدایت بنایا تھا۔ اس تاکید کے ساتھ کہ میرے سوا کسی کو اپنا وکیل نہ بنانا''۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۲)

''اے نبیؐ! کہو، ''اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے''۔ (آل عمران ۳:۶۴)

نبی آخرالزماںؐ پر ایمان کے لیے سابقہ کتب میں ان کے ذکر کو بنیاد بنایا گیا: (رحمت کے حق دار تو وہ ہیں) جو اس پیغمبر، نبی اُمّی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے''۔ (اعراف ۷:۱۵۷)

''اور جب عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا تھا کہ ''اے بنی اسرائیل، میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا''۔ (الصّف ۶۱:۶)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی [م: ۱۸۹۱ء] نے اپنی کتاب اظہار الحق میں تورات وانجیل کی بے شمار عبارات اور کتب حدیث وسیرت سے علمائے اہل کتاب کے مستند واقعات جمع کر دیئے ہیں جن سے رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً نجاشی [م: ۶۳۲ء] حبشہ نے حضرت جعفر طیارؓ [شہادت: ۶۲۹ء] کی تقریر پر کہا:

اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَادِقًا مُصَدِّقًا، وَ قَدْ بَایَعْتُکَ وَ بَایَعْتُ ابْنَ عَمِّکَ اَیْ جَعْفَرَ بْنَ اَبِی طَالِبٍ، وَ اَسْلَمْتُ

عَلٰی یَدَیْہِ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے اور تصدیق کرنے والے رسولؐ ہیں۔ میں آپؐ کی اور آپؐ کے چچازاد بھائی یعنی جعفر بن ابی طالب کے ہاتھوں بیعت کرتا ہوں اور اُن کے ہاتھوں اپنے آپ کو اللہ ربّ العالمین کے سپرد کرتا ہوں'' (اظہار الحق، ج ۲،ص ۴۲۲)۔

خدا پرست علما کے کردار کی گواہی:

قرآن نے بنی اسرائیل کے خدا پرست علماء کے کردار کو نقل کر کے بھی اپنے موقف کو مدلّل کیا ہے:

کیا ان (اہل مکہ) کے لیے یہ کوئی نشانی نہیں کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں؟ (الشعراء ۲۶: ۱۹۷)۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ وہ اس (قرآن) پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں (البقرہ ۲: ۱۲۱)۔

جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ ''اے پروردگار، ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے'' (المائدہ ۵: ۸۳)۔

ابن اسحاق کے مطابق جب محمدؐ کی نبوت کی خبر حبشہ پہنچی تو وہاں کے بیس عیسائیوں کا وفد مسجد حرام میں آپؐ سے آ کر ملا۔ ان کے سوالات کا جواب دینے کے بعد آپؐ نے انھیں قرآن سنایا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ (ابن ہشام،ص ۳۳۸)

نافرمان قوموں کے انجامِ بد کا تذکرہ:

قرآن کے استدلال کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس نے خدا کی باغی اقوام، قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط، قومِ شعیب کے انجامِ بد کا ذکر کر کے توحید الٰہی اور نبیؐ عربی کی مخالفت کرنے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈرایا ہے۔ سورۂ اعراف، طٰہٰ، قصص، انبیاء وغیرہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ قرآن کے بیان کردہ تمام واقعات ایسے ہیں جن سے عرب واقف تھے اور ان کے تباہ شدہ کھنڈرات سے وہ گزرتے رہتے تھے۔

دل و دماغ میں بات اُتارنے کا وہی طرزِ استدلال سب سے زیادہ مؤثر اور فطری ہے، جو قرآن نے اختیار کیا ہے۔ قدیم علم کلام اور جدید سائنسی طرزِ استدلال کی جزوی افادیت کو تسلیم کرنے کے باوجود علما اور داعیانِ دین کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی تحریر و تقریر اور بحث و گفتگو میں قرآن کے اسلوبِ استدلال کو اپنائیں، جس میں عقلی و نقلی دلائل کا توازن ہو۔ کائنات کے ساتھ ساتھ خود نفس انسانی پر غور و فکر کی دعوت ہو۔ انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید خدا پرست اہلِ دانش کے فکر و عمل کا حوالہ ہو اور خدا بیزار قدیم و جدید تہذیب و اقوام کی تباہی کے بیان میں عبرت و موعظت کا سامان ہو۔

□□□□□

عدمِ تحریف قرآن

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (حجر۔ ۹)

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم قطعی طور پر اس کی حفاظت کریں گے۔

قرآن مجید اللہ تبارک کا کلام مقدس ہے یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ قرآن مجید تقریباً ۲۳ سال کے عرصے میں جبرئیل امینؑ کے ذریعے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے۔ یہ کلام الٰہی فصاحت و بلاغت اور معنوی بلندی کے اس درجے پر ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود پوری کائنات کے انسانوں اور جنات کو چیلنج کر رہا ہے کہ اگر تم اس جیسا کلام بنا کر لا سکتے ہو تو لے آؤ، مگر تم ہرگز نہیں لا سکو گے۔ ارشاد رب العزت ہے:

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَ لَوۡ کَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا (بنی اسرائیل۔ ۸۸)

کہہ دیجیے: اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل لا نہیں سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔

قرآن مجید جیسا کلام اور اس کی نظیر نہیں لائی جا سکتی۔ یہ قرآن کا کھلا چیلنج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قرآن کسی یار و مددگار کے بغیر ہے اور کافر لوگ اس کے آفتاب وجود کو کیچڑ سے چھپا دیں گے یا اس کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں گے۔ یہ تو وہ چراغ ہے جسے حق تعالیٰ نے روشن کیا ہے اور یہ وہ آفتاب ہے جو کبھی غروب نہ ہوگا۔ چند افراد جو مکہ میں تھے ان کی بات نہیں، بلکہ دنیا بھر کے جابر، اہل اقتدار، سیاستدان، ظالم منحرف، اہل فکر اور جنگ آزما جمع ہو جائیں اور اس کے نور کو بجھانا چاہیں تو وہ بھی ایسا نہیں کر سکیں گے، کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خداوند عالم نے اپنے اوپر لے رکھا ہے۔

قرآن کی حفاظت سے مراد کن امور کی حفاظت ہے؟

اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ بعض نے کہا کہ تحریف و تغیر اور کمی و بیشی سے حفاظت مراد ہے۔

۲۔ بعض نے کہا کہ آخر دنیا تک فنا و نابودی سے حفاظت مقصود ہے۔

۳۔ بعض دیگر نے کہا کہ قرآن کے خلاف گمراہ کن منطق کے مقابلے میں حفاظت مراد ہے۔
مگر یہ تمام آراء اور تفاسیر قابل جمع ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب (وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ) کے وسیع مفہوم میں شامل ہے۔

تحریف کے معنی اور اس کی اقسام

''تحریف'':

کسی چیز کو اس کے اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر کسی دوسرے مقام پر رکھنے کو ''تحریف'' کہتے ہیں۔

تحریف لفظی:

قرآن مجید کے کسی لفظ یا حرف کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا یا کسی لفظ کا اضافہ کرنا یا کسی لفظ کو کم کر دینا ''تحریف لفظی'' کہلائے گی۔ جب ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی تو اس سے مراد ہماری یہی تحریف ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (النساء۔ ۴۶)

یہود میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو الفاظ کو اپنی اصل جگہ سے پھیرتے ہیں اور بدلتے ہیں۔

تحریف معنوی:

یہ تحریف ایسی ہوتی ہے کہ لفظ تو اپنی جگہ برقرار ہیں، لفظی تحریف نہیں ہوئی، لیکن لفظوں اور جملوں اور آیتوں کے معنی وہ نہ لیے جائیں جو صاحب کلام کی مراد ہے، بلکہ اپنی مرضی سے کلام کے معنی و مفہوم بیان کیے جائیں اسے ''تحریف معنوی'' کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں تحریف معنوی واقع ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن کے معنی و مقصود کے خلاف تفسیر کرنے کی کوشش کرنا تحریف ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ اہل بدع اور فاسد مذاہب کے پیروکار ہمیشہ قرآن کی تعبیر اپنی آراء اور خواہشات کے مطابق کر کے تحریف کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ اس قسم کی تحریف سے شریعت نے منع فرمایا ہے اور ایسی تحریف کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

مَنْ فَسَّرَ الْقُرآنَ بِرَاْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۱۰۴)

جو کوئی قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے (خیالات) سے کرے گا، وہ اپنی جگہ جہنم میں بنائے گا۔

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْیِہٖ فَقَدِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ۔ (کمال الدین، ج ۱، ص ۲۵۷)

جس شخص نے اپنی ذاتی رائے کے مطابق قرآن کی تفسیر کی، اس نے اللہ پر بہتان لگایا۔

واضح رہے کہ تحریف معنوی سے مراد قرآن مجید کے مفہوم کو دگرگوں کرنا اور اسے پس پشت ڈال دینا ہے۔ اس مقالے میں ہماری بحث اس تحریف کے متعلق نہیں ہے۔

عدم تحریف قرآن کے دلائل

عدم تحریف قرآن پر بہت سے دلائل موجود ہیں جن میں قرآن مجید کی آیات کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل شامل ہیں:

۱۔حافظان قرآن:

قرآن مجید صدر اسلام کے مسلمانوں کے لیے سب کچھ تھا۔ یہ ان کا آئین، زندگی کا دستور العمل حکومت کا پروگرام، مقدس آسمانی کتاب اور رمز عبادت، غرض سب کچھ تھا۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اصولی طور پر اسی میں کمی بیشی کا امکان ہی نہیں۔ قرآن ایک ایسی کتاب تھی کہ پہلے دور کے مسلمان ہمیشہ نمازوں میں، مسجدوں میں، گھروں میں، میدان جنگ میں دشمن کا سامنا کرتے ہوئے، اپنے مکتب کی حقانیت پر استدلال کرنے کے لیے اسی سے استفادہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تاریخ اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن عورتوں کا حق مہر قرار دیا جاتا تھا۔ اصولی طور پر تنہا وہ کتاب جو تمام محافل میں موضوع سخن اور زندگی میں قابل عمل تھی اور ہر بچے کی ابتدائی عمر سے جس سے آشنا کیا جاتا تھا وہ قرآن مجید تھی اور جو کوئی شخص جس سے درس حاصل کرنا چاہتا تھا وہ قرآن مجید تھا۔

جی ہاں قرآن مجید! تو کیا ایسی کیفیت میں کسی شخص کو یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو گیا ہو۔ خصوصاً جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید جمع ہو چکا تھا اور پھر آپؐ اس کے حفظ کو اہمیت دیتے تھے۔

اصولی طور پر صدر اسلام میں افراد کی شخصیت زیادہ تر اس بات سے پہچانی جاتی تھی کہ انھیں قرآن مجید کی آیات کس حد تک یاد ہیں۔ قرآن کے حافظوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ تواریخ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ایک جنگ میں چار سو قرآن کے قاری مارے گئے تھے۔ بئر معونہ کے واقعہ میں قاریان قرآن کی ایک کثیر جماعت نے شربت شہادت نوش کیا۔ ان سے اور ان جیسے دیگر واقعات سے واضح ہو جاتا ہے کہ حافظ و قاری اور معلمین قرآن اس قدر زیادہ تھے کہ صرف ایک میدان جنگ میں سینکڑوں قاریان قرآن نے شہادت پائی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ معاشرے میں قرآنی ثقافت رائج تھی۔ اس لیے قرآن میں کسی کی تحریف کرنا ممکن نہیں تھا۔

۲۔کاتبان وحی:

ان تمام امور کے علاوہ کاتبان وحی کا معاملہ بھی غور طلب ہے۔ یہ وہ افراد تھے جو آنحضرت کے حکم اور تاکید سے آپؐ پر نازل شدہ آیات کو لکھ لیتے تھے۔ ان کی تعداد چودہ سے تینتالیس تک بیان کی گئی ہے۔ ابوعبداللہ زنجانی اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھتے ہیں:

پیغمبر اسلامؐ کے مختلف کاتب جو وحی لکھا کرتے تھے، وہ تینتالیس افراد تھے جن میں زیادہ مشہور خلفائے اربعہ تھے، لیکن اس سلسلے میں پیغمبرؐ کے سب سے بڑھ کر ساتھی زید بن ثابت اور علی ابن ابی طالبؑ تھے۔

۳۔تمام رہبران اسلام نے اسی قرآن کی دعوت دی ہے:

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اسلام کے عظیم پیشواؤں کے کلمات کا مطالعہ نشاندہی کرتا ہے کہ وہ ابتدائے اسلام سے، باہم بیک زبان لوگوں کو اسی موجودہ قرآن کی تلاوت مطالعہ اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ نہج البلاغہ میں حضرت امام علی علیہ السلام کے کلمات اسی دعویٰ کے زندہ گواہ ہیں۔

ایک خطبے میں آپؑ کا ارشاد ہے:

کِتَابُ اللّٰہِ بَیْنَ اَظْهُرِ کُمْ، نَاطِقٌ لَّا یَعْیَا لِسَانُهُ وَ بَیْتٌ لَّا تُهْدَمُ اَرْ کَانُهُ وَ عِزٌّ لَّا تُهْزَمُ اَعْوَانُهُ۔

(نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۳۳)

اور کتاب اللہ تمھارے درمیان ایسی ناطق ہے جس کی زبان کبھی گنگ نہیں ہوتی ۔ یہ ایسا گھر ہے کہ ستون کبھی منہدم نہیں ہوتے ، یہ ایسا صاحب عز و وقار ہے جس کے انصار کبھی مغلوب نہیں ہوتے ۔

ایک اور مقام پر آپؑ فرماتے ہیں:

و اعملوا ان هذا القرآن هو الناصح الذی لا یغش و الهادی الذی لا یضل۔۔۔ ان الله سبحانه لم یعظ احد بمثل هذا القرآن، فانه حبل الله المتین و سببه الامین۔ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۷۶)

جان لو کہ یہ قرآن ایسا ناصح ہے جو اپنی نصیحت میں کبھی خیانت نہیں کرتا اور ایسا ہادی ہے جو کبھی گمراہ نہیں کرتا ۔۔۔ خدا نے کسی کو اس قرآن جیسی وعظ و نصیحت نہیں کی، کیونکہ یہ خدا کی محکم رسی اور اس کا قابل اطمینان وسیلہ ہے۔

نہج البلاغہ کے ایک اور خطبے میں حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

ثم انزل علیه الکتاب نورا لا تطفا مصابیحه و سرا جالا یخبو توقده و بحرا لا یدرک قعره و منها جالا یضل نهجه و شعاعا یظلم ضوءه و فرقانا لا یخمد برهانه۔ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۸)

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک کتاب نازل کی، وہ کتاب جو خاموش نہ ہونے والا نور اور جو ایسا پر فروغ چراغ ہے کہ جس میں تاریکی آ ہی نہیں سکتی اور یہ ایسا راستہ ہے جس پر چلنے والے گمراہ نہیں ہو سکتے اور ایسی شعاع ہے جس کی لو کبھی تاریک نہیں ہو سکتی اور یہ حق کی باطل سے جدائی کا ایسا سبب ہے جس کی برہان خاموش نہیں ہوتی۔

ایسی تعبیرات حضرت علی علیہ السلام اور دیگر معصوم پیشوایان دین کے کلمات و ارشادات میں بہت زیادہ ہیں۔ فرض کریں کہ اگر دست تحریف اس آسمانی کتاب کی طرف بڑھا ہوتا تو کیا پھر بھی ممکن تھا کہ اس کی طرف دعوت دی جاتی اور اسے راہ کشا، حق کی باطل سے جدائی کا ذریعہ، نہ بجھنے والا نور، خاموش نہ ہونے والا چراغ، خدا کی محکم رسی اور اس کا امین و قابل اطمینان وسیلہ قرار دے کر تعارف کرایا جاتا۔

۴۔ آخری دین اور ختم نبوت کا تقاضا:

اصولی طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت قبول کر لینے کے بعد اور یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ دین اسلام آخری خدائی دین ہے اور قرآن کا پیغام دنیا کے خاتمے تک برقرار رہے گا، کس طرح یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ خداوند عالم، اسلام اور پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس واحد سند کی حفاظت نہیں کرے گا۔ اسلام کے ہزاروں سال تک باقی رہنے، جاوداں ہونے اور آخری دنیا تک رہنے کے ساتھ کیا تحریف قرآن کا کوئی مفہوم ہو سکتا ہے؟

۵۔ روایات ثقلین:

روایات ثقلین کہ جو طرق معتبرہ متعدد سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں، قرآن کی حقانیت اور ہر قسم کے تغیر و تبدیل سے محفوظ رہنے پر ایک اور دلیل ہے، کیونکہ ان روایات کے مطابق حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَحَدُهُمَا اَکْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ: کِتَابُ اللهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ وَ اَنَّهُمَا لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ (یہ حدیث متواتر ہے، بطور نمونہ ملاحظہ کریں: مسند احمد بن حنبل، ج ۱۷، ص ۱۷۰۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۴۶، حدیث ۲۴۰۸۔)

میں تمھارے درمیان میں دوگراں قدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی۔ پہلی اللہ کی کتاب جو ایسی رسی ہے جس کا ایک سرا آسمان کے ساتھ ہے اور دوسرا زمین کے ساتھ اور دوسری میری عترت اور میرے اہل بیتؑ۔ یاد رکھو! یہ ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے نہ آملیں۔

۶۔قرآن مجید کسوٹی ہے:

ان سب پہلوؤں سے قطع نظر قرآن کا تعارف سچی اور جھوٹی روایات و احادیث کو پرکھنے کے معیار کے طور پر کروایا گیا ہے۔ بہت سی روایات کو جو منابع اسلام میں آئی ہیں ان میں ہے کہ جس حدیث کے سچے یا جھوٹے ہونے کے بارے میں شک کرو اسے قرآن کے سامنے پیش کرو، جو حدیث کے قرآن کے موافق ہے وہ حق اور جو حدیث اس کے مخالف ہے، وہ باطل ہے۔

ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول ہے کہ: جو حدیث قرآن مجید کے مخالف ہو، اسے دیوار پر دے مارو۔ فرض کریں کہ قرآن میں کمی کے لحاظ سے ہی تحریف ہوئی ہوتی تب بھی ہرگز ممکن نہ تھا کہ اس کا تعارف حق و باطل کو پرکھنے کی کسوٹی کے طور پر کروایا جاتا۔

۷۔حکم عقل:

عقل واضح حکم کرتی ہے کہ قرآن میں کسی قسم کا تغیر و تبدیلی نہیں ہوئی، کیونکہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو اپنے نزول کے ابتداء ہی سے امت اسلامی کی خاص توجہ کا مرکز رہی ہے اور امت اس کے تقدس اور تعظیم اس کے حفظ کرنے میں کوشاں رہی ہے، کیونکہ قرآن مجید مسلمانوں کے لیے اولین منبع و ماخذ تمام دینی و سیاسی اجتماعی امور میں سمجھا جاتا تھا اور قرآن اساس دین اور مبنای شریعت اسلام ہے، اس لیے امکان نہیں ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہو۔

۸۔قائدہ لطف:

قرآن مجید میں تحریف نہ ہونا لطف الٰہی کا متقاضی ہے۔ لطف خداوندی یہ ہے کہ بندہ کو اطاعت خداوندی کے نزدیک کرے اور معصیت سے دور رکھے۔ اس معنی میں حکم عقل یہ ہے کہ خداوند پر واجب ہے کہ وہ ایسا کام کرے کہ بندے اس کی اطاعت کریں اور گناہوں سے دوری اختیار کریں۔ اس میں شک نہیں کہ قران نبوت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل اور اعتباری سند ہے۔ دین کی اساس جو کہ قرآن مجید ہے اس کو اسی حالت میں باقی رہنا چاہیے اور کبھی بھی اس میں بدعث گزاروں کی طرف سے کسی قسم کی لفظی تحریف نہ ہوسکے۔ اس لیے قاعدہ لطف کی روسے قرآن مجید تحریف سے محفوظ ہے اور یہ قرآن کا اعجاز ہے۔

۹۔آیات قرآن:

قرآن مجید کی اپنی آیات بھی تحریف کو صاف طور پر رد کررہی ہیں۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ O لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (فصلت۔ ۴۱۔۴۲)

یہ معزز کتاب ہے۔ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔ یہ قرآن انسانیت کے لیے ایک دستور حیات اور اسلام کی حقانیت کے لیے ایک معجزہ ہے۔ ممکن نہیں اس معجزے کو کوئی باطل قوت بے اثر بنادے اور اس کی معجزاتی حیثیت کو ختم کردے۔

اس آیہ مجیدہ میں لفظ ''عزیز'' موجود ہے جس کے معنی ہیں شکست ناپذیر اور غیر قابل نفوذ اور تحریف ایک قسم کی نفوذ پذیری ہے

جو کہ ''عزیز'' ہونے کے منافی ہے کہ اس میں تحریف ہوجائے۔ نیز جملہ: لَا یَأْتِیهِ الْبَاطِلُ کا مطلب ہے کہ قرآن ہر قسم کی تبدیلی اور تحریف کی خود سے نفی کر رہا ہے۔ اسی طرح جملہ: مِن بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ نے بطور مطلق ہر زمانے میں اور ہر لحاظ سے تحریف کی نفی کردی ہے اور آیت کا آخری جملے میں فرمایا گیا: تَنزِیلٌ مِّنْ حَكِیمٍ حَمِیدٍ اس پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے جو حکمت والا اور لائق ستائش ہے۔ یہ جملہ بخوبی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ قرآن مجید قابل تحریف و تغیر نہیں ہے، کیونکہ خداوند کلیم کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ خداوند عالم جو تمام کمالات کا مالک ہے اور اس کے تمام کام حکیمانہ اور ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک ہوتے ہیں۔ بنابریں اگر قرآن تحریف ہوجائے تو خدا کے مقصد کی نفی اور حکمت خداوندی سے ناسازگاری لازم آئے گی، جو کہ محال ہے۔ پس قرآن میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ. إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (قیامت، ۱۶۔۱۷)

(اے نبیؐ!) آپؐ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔

اس آیت سے بھی عدم تحریف قرآن واضح ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ (حجر۔ ۹)

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم قطعی طور پر اس کی حفاظت کریں۔

یہ آیہ مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ قرآن کا محافظ ہے۔

۱۰۔ اعجاز قرآن:

قرآن مجید معجزہ ہے اور کوئی بھی اس کی ایک آیت جیسی آیت نہیں لا سکا جیسا کہ خود قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اگر قرآن میں تحریف ہوجائے تو آیت یا آیتوں کے معانی بدل جائیں اور یہ بات اعجاز قرآنی کے منافی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید جو فصاحت و بلاغ میں معجزہ ہے تحریف کی صورت میں معجزہ ہیں رہے گا۔ اس لیے تحریف قرآن ممکن نہیں ہے۔

امامیہ علماء کی قرآن مجید کی عدم تحریف پر تصریحات

یہ مطلب تمام لوگوں کے لیے واضح ہے کہ کسی مذہب کی طرف کسی کو عقیدے یا کسی بات کو منسوب کرنے کے لیے اس مذہب کے اکثر جید علماء کی آراء اور ان کے فتاویٰ کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ شیعہ علماء و فقہاء یہی نظریہ اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف نہیں ہوئی۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں اس بات کی تصریح کی ہے۔ ان میں سے کچھ علماء کے نام اور ان کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں:

۱۔ شیخ صدوق، الاعتقادات، ص ۹۲

۲۔ شیخ مفید، المسائل السرویہ، ص ۸۳۔ ۸۴۔ اوائل المقالات، ص ۸۰

۳۔ سید شریف رضی، حقائق التاویل فی متشابہ التنزیل، ص ۱۶۸

۴۔ سید مرتضی، الذخیرہ فی علم الکلام، ص ۳۶۱

۵۔ شیخ طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۶، ص ۳۲۰

۶۔طبرسی، مجمع البیان، ج۶،ص ۵۰۹
۷۔ابوالفتاح رازی، روض الجنان وروح الجنان، ج۱،ص ۱۳
۸۔قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح ص ۱۰۴
۹۔ابن ادریس، المنتخب من تفسیر القرآن، ج ۲،ص ۲۴۶
۱۰۔ابن شہرآشوب، متشابہ القرآن، ج ۲،ص ۷۷
۱۱۔رضی الدین علی بن طاووس، سعد السعود،ص ۱۴۴
۱۲۔ابوالمکارم، البلائل والقلاقل، ج۱،ص ۲۴۴
۱۳۔سدید الدین حصنی، المنقذ من التقلید، ج۱،ص ۲۷۷
۱۴۔محمد بن حسن شیبانی، نہج البیان، ج ۳،ص ۱۸۴
۱۵۔حسن بن یوسف مطہر، اجوبۃ المسائل المہنائیۃ،ص ۱۲۱
۱۶۔جمال الدین مقداد سیوری، کنز العرفان،ص ۲۔۵
۱۷۔زین الدین بیاض عاملی، الصراط المستقیم، ج۱،ص ۲۶
۱۸۔کمال الدین حسین کاشفی، مواہب علیہ، ج ۲،ص ۳۳۶
۱۹۔علی بن عبدالعالی، رسالۃ فی نفی النقیصۃ فی القرآن،ص ۲۲
۲۰۔فتح اللہ کاشانی، منہج الصادقین، ج ۵،ص ۱۴
۲۱۔مقدس اردبیلی، مجمع الفائدۃ والبرہان، ج ۲،ص ۲۱۸
۲۲۔محمد بن علی نقی شیبانی، مختصر نہج البیان،ص ۲۶۲
۲۳۔ابوالمحاسن حسین بن حسن جرجانی، جلاالاذھان، ج ۵،ص ۱۲۵
۲۴۔ابوالفیض ناکوری، سواطع الہام، ج ۳،ص ۲۱۴
۲۵۔قاضی نوراللہ شوستری، مصائب النواصب بہ نقل از: آلاء الرحمن، ج ۲،ص ۲۵
۲۶۔شیخ بہائی، العروۃ الوثقیٰ،ص ۱۶
۲۷۔فاضل تونی، الوافیۃ فی الاصول،ص ۱۴۸
۲۸۔فیض کاشانی تفسیر صافی، ج ۳،ص ۱۰۲، المحجۃ البیضاء، ج ۳،ص ۲۶۳
۲۹۔محمد بن حسن شریف لاہیجی تفسیر شریف لاہیجی، ج ۲،ص ۴۵۸
۳۰۔شیخ حر عاملی، رسالۃ تواتر القرآن وعدم نقصہ وتحریفہ
۳۱۔محمد بن مرتضیٰ کاشانی تفسیر المعین، ج ۲،ص ۶۵۰
۳۲۔محمد رضا قمی، کنز الدقائق ج ۷،ص ۱۰۴
۳۳۔شیخ جعفر الغطاء، کشف الغطاء،ص ۲۲۹
۳۴۔سید محسن کاظمی، شرح الوافیہ بہ نقل از: التحقیق فی نفی التحریف،ص ۲۶
۳۵۔سید محسن طباطبائی، مفاتیح الاصول بہ نقل از کتاب قبل

۳۶۔شیخ ابراہیم کلباسی، اشارات لاصول
۳۷۔سید حسین کوہ کمری، بشری الوصول بہ نقل از کتاب قبل ص ۲۷
۳۸۔موسیٰ تبریزی، اوثق الوسائل ص۹۱
۳۹۔محمد بن ابی القاسم المشہو رمغرب تہرانی، کشف الارتیاب فی عدم تحریف الکتاب
۴۰۔سید محمد شہرستانی، حفظ الکتاب عن شبۃ القول بالتحریف
۴۱۔محمد حسین آشتیانی، بحر الفوائد ص۹۹
۴۲۔محمد جواد حسینی عاملی، مفتاح الکرامۃ، ج ۲ ص ۳۹۰
۴۳۔شیخ محمد جواد بلاغی نجفی، آلاء الرحمن ص ۲۶
۴۴۔شیخ محمد حسین کاشف الغطاء، اصل الشیعہ واصولہا ص ۱۳۳
۴۵۔سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج ۱ ص ۴۱
۴۶۔شیخ محمد نہاوندی، نفخات الرحمٰن، ج ۱ ص ۴۱
۴۷۔میر جعفر علوی حسینی، کشف الحقائق، ج ۱ ص ۴۰
۴۸۔سید عبد الحسین شرف الدین، العصول المہمۃ ص ۱۶۲، اجوبہ مسائل جار اللہ ص ۲۸
۴۹۔علامہ امین، الغدیر، ج ۳ ص ۱۰۱
۵۰۔علامہ سید محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۲ ص ۱۰۴۔ ۱۳۳
۵۱۔آیت اللہ امام خمینی، تہذیب الاصول، ج ۲ ص ۱۶۵، وانوار الہدایہ ص ۲۶۳
۵۲۔آیت اللہ خوئی، البیان فی تفسیر القرآن ص ۱۹۸

عدم تحریف پر کچھ اور دلائل

علامہ شیخ محسن علی نجفی اپنے ترجمہ اور حاشیہ میں لکھتے ہیں:

تحریف قرآن ناممکن ہے۔ اس لیے کہ اس کی معجزاتی ترکیب اپنے اندر کسی قسم کی تحریف کو قبول نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں ہم کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔اصول وکلیات:

گذشتہ امتوں پر نازل شدہ کتاب میں تحریف واقع ہونے کے اہم عوامل میں سے ایک یہ تھا کہ آسمانی کتب میں جو دستور حیات دیا گیا تھا وہ حکمرانوں اور مفاد پرستوں کے مفادات کے خلاف ہوتا تھا، لہٰذا کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی، کچھ نے ان حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اور کچھ نے تحریف کر ڈالی۔

مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابدی معجزے ''قرآن'' کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا انتظام خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ نے قرآن میں صرف اصول وکلیات ہی بیان کیے اور تفسیر وتشریح کا کام سنت پر چھوڑ دیا۔ اس لیے قرآن میں معاصر لوگوں میں سے کسی کا نام (ایک دو کے علاوہ) مذکور نہیں۔ اس میں نہ ہی برگزیدہ ہستیوں کے نام مذکور ہیں اور نہ قابل مذمت لوگوں کے نام درج ہیں۔ صرف ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت نام لے کر کی گئی ہے۔ یونکہ ابولہب کی کھلی عداوت

اور حضورؐ کا رشتہ دار ہونا ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے سے اس کا نام صریحاً لیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اصول وکلیات کی تشریح وتوضیح رسول خداؐ کے ذمہ کردی تھی، اس لیے آیہ تطہیر میں اہل بیتؑ کے نام نہیں لیے گئے جب کہ سنت رسولؐ نے ایک ایک فرد کا تعارف کرایا۔ آیہ مباہلہ میں بھی ''ابناء نا'' اور ''نساء نا'' سے جو لوگ مراد ہیں ان کی وضاحت سنت رسولؐ نے کی۔ نیز سورہ کوثر میں یہ نہیں فرمایا کہ امیہ بن خلف ابتر ہے، بلکہ رسول خداؐ نے گستاخان رسولؐ کی نشاندہی فرمائی ہے۔

اگر قرآن میں یہ بتادیا جاتا کہ ''شجرۂ ملعونہ'' سے کون لوگ مراد ہیں تو اس کے مصداق قرآن کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتے۔ اسی طرح سورہ حجرات کی آیہ نبا میں فاسق ولید بن عقبہ کا نام بیان نہیں ہوا۔ اسی طرح حجرات کے باہر سے رسول پاکؐ کو بیوقوفوں کا پکارنا، ایسے تمام موارد میں قرآن کی مراد ومقصود کا بیان کرنا سنت رسول اللہؐ کی ذمہ داری ہے۔

تدریجی نزول:

قرآن کو ضیاع اور تحریف سے بچانے کے لیے دوسرا انتظام اس کا تدریجی نزول تھا۔ ایک متوسط حجم کی کتاب ۲۳ سالوں کی مدت میں تدریجاً نازل ہوتی رہی اور کتاب بھی ایسی جس کا انداز کلام دوسرے کلاموں سے مختلف اور جس کی روح اور سماعت دونوں کی تسکین کا سامان ہے۔ ساتھ ساتھ چونکہ ابتدائے بعثت میں اس کو محفوظ رکھنے کے لیے فضا نامساعد تھی اس لیے آیات مختصر، با قافیہ اور مسجع ہیں، مثلاً:

وَالضُّحٰی. وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰی. مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰی. (ضحی۔ ۱۔۳)

الرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْآنَ. خَلَقَ الْإِنسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (رحمٰن۔ ۱۔۴)

یہ مختصر اور مقفیٰ آیات حفظ کرنے کے لیے نہایت آسان ہیں۔ اس طرح قرآن کتابت کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی محفوظ رہا۔ بعد میں مدنی زندگی میں لکھنے پڑھنے کے وسائل فراہم ہوئے تو آیات اور قرآن سورتیں طولانی ہونا شروع ہوگئیں۔ تدریجی نزول کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہوا کہ قرآن نہایت آسانی کے ساتھ امت کے حوالے ہوگیا۔ یعنی جس طرح نزول قرآن تدریجی تھا اس کی تعلیم اور امت کی طرف منتقلی بھی تدریجی تھی۔ جس روز نزول کا کام مکمل ہوا اسی روز قرآن کی، امت کی طرف منتقلی بھی مکمل ہوئی۔ چنانچہ جس مرحلے میں امت کی طرف قرآن کی منتقلی مکمل ہوئی اس کو ''عرصہ اخیر'' (آخری دہرائی) کہتے ہیں۔

تحریف والی روایات کی توجیہہ

کچھ احادیث کی کتابوں میں بعض ایسی روایات ملتی ہیں جن سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں کچھ تحریف ہوئی ہے۔ مگر یہ روایات ایسی ہیں کہ ان کے متعلق علماء کرام نے فرمایا کہ:

اولاً: یہ روایات ایسے افراد اور بعض ایسی کتابوں سے نقل ہوئی ہیں کہ جو مورد اعتبار اور ثقہ نہیں ہیں۔ مثلاً کتاب قرائت احمد بن محمد سیاری متوفی ۲۸۶ھ علماء رجال نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اسے بدعقیدہ فاسد المذاہب شمار کیا ہے۔ اسی طرح کتاب علی بن احمد کوفی (متوفی ۳۵۳ھ) کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص غالی ہے۔

ثانیاً: بعض روایات جو تحریف کی بات کرتی ہے وہ دراصل تفسیری پہلو بیان کررہی ہوتی ہیں۔ اس معنی میں کہ روایات میں مفاد کلی یہ ہے کہ آیت کا مصداق اتم واکمل تطبیق ہوا ہے یا آیت کے مصادیق سے ایک مصداق کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بعض نے گمان کرلیا ہے کہ یہ مصداق بھی آیت کا حصہ تھا اور اسے حذف کردیا گیا ہے۔ امام خمینیؒ نے ایسی روایات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

الف: ضعیف روایات جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔
ب: جعلی وخود ساختہ روایات کہ ان کے جعلی ہونے پر شواہد موجود ہیں۔
ج: صحیح روایات کہ جب ان کا غور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس تحریف سے ''تحریف لفظی'' نہیں ہے بلکہ ''تحریف معنوی'' مراد ہے۔

کتاب ''فصل الخطاب'' اور کتاب ''الفرقان''

مکتب امامیہ پر عائد الزام کی ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان کے ایک عالم نے تحریف قرآن کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس کا نام ''فصل الخطاب'' رکھا ہے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ:

اولا: ایسا واقعہ صرف امامیہ کے ہاں پیش نہیں آیا، بلکہ مصر کے ایک جید علم دین علامہ بن الخطیب المصری نے ۱۹۴۷ء میں اس قسم کی ایک کتاب تالیف کی جس میں ضعیف اور نادر روایات جمع کر کے تحریف وتبدیلی اور عدم حجت الفاظ پر بے شمار دلائل پیش کیے۔

اس کتاب کے بارے میں جامع الازہر کے کلیہ الشریعہ کے استاد علامہ شیخ محمد مدنی کہتے ہیں:

یہ کہنا کہ امامیہ قرآن میں کمی واقع ہونے کے قائل ہیں، معاذ اللہ! درست نہیں ہے بلکہ ان کے ہاں بھی کچھ روایات ایسی ملتی ہیں جیسے ہمارے ہاں ملتی ہیں۔ دونوں فرقوں کے اہل تحقیق اس قسم کی روایات کو مسترد کرتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ امامیہ یا زیدیہ میں کوئی تحریف کا قائل نہیں ہے، جیسا کہ اہل سنت کے ہاں بھی کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے۔

ایسی روایات کا مشاہدہ کرنے کے لیے جن کو ہم مکمل طور پر مسترد کرتے ہیں، علامہ سیوطی کی کتاب الاتقان کا مطالعہ کریں اور ایک مصری نے تو ۱۹۴۸ء میں ایک کتاب لکھ ڈالی جس کا نام ''الفرقان'' رکھا۔ اس کو اس مولف نے غیر معتبر، غیروں کو داخل کردہ اور مردود السند روایات سے پر کیا ہے اور ان روایات کو اہل سنت کے ہی مصادر وماخذ سے نقل کیا ہے۔ جامع الازہر نے اس کتاب کی ضبطی کا مطالبہ کیا اور اس کتاب کے فاسد اور باطل ہونے پر دلائل قائم کیے۔ چنانچہ حکومت نے اسے منظور کر لیا اور کتاب ضبط ہو گئی۔ کیا اس کتاب کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ اہل سنت قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اور قرآن میں نقص کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ صرف ایک روایت کی بنا پر؟ یا فلاں شخص کی تالیف کردہ کتاب کی بنا پر؟ شیعہ امامیہ کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔

ثانیا: فصل الخطاب میں درج ساری روایات امامیہ کی طرف سے نہیں، بلکہ اس میں غیر امامیہ مصادر سے بھی روایات کثرت سے درج ہیں جنھیں علامہ مرتضیٰ عسکری نے ایک مستقل کتاب میں جدا کر کے واضح کیا ہے۔ (القرآن الکریم وروایات المدرستین، علامہ مرتضیٰ عسکری، ج ۳)

ثالثاً: یہ کتاب ان روایات پر مشتمل ہے جو اصول حدیث کے اعتبار سے بے بنیاد اور مردود ہیں۔ علمائے امامیہ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اسے مستند سمجھے۔ شیعہ علماء نے اس کتاب کو ضالہ یعنی گمراہ کن میں شمار کیا ہے اور اس کے رد میں کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے علامہ سید محمد حسین شہرستانی نے ''حفظ الکتاب الشریف عن شبهة القول بالتحریف'' اور علامہ محقق شیخ محمود تہرانی نے ''کشف الارتیاب فی رد فصل الخطاب'' تحریر کی ہے۔

قارئین محترم! تمام فرق اسلامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید وحی سماوی اور اللہ کی آخری کتاب ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس میں ذرہ برابر باطل کا شائبہ ہے۔ یہ لاریب کتاب ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس کی سورتوں کے نام رکھے، خود نازل شدہ آیات کو ان کی سورتوں میں رکھوایا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قرآن جمع ہو گیا تھا۔

امام خمینیؒ کی نظر میں فہمِ قرآن کریم کے اصول

ڈاکٹر سید علی عباس نقوی
سربراہ ادارہ التنزیل پاکستان

مقدمہ

امام سید روح اللہ موسوی الخمینیؒ کی عالم گیر شخصیت نہایت جامعیت کی حامل ہے۔ آپؒ کی شخصیت کے جس پہلو کی جانب نظر کریں، آپؒ ہمیں بلندی پر فائز نظر آتے ہیں۔ عام طور پر ان کی زندگی کے سیاسی و اجتماعی پہلو کو دیکھا گیا ہے، حالانکہ آپؒ کی شخصیت کے دینی، عرفانی، اخلاقی وملکوتی، علمی و اجتہادی پہلو آپؒ کی شخصیت کو کامل طور پر نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ آپؒ کی شخصیت میں سے ایک اور نمایاں پہلو آپ کا قرآنیات میں متخصص و مفسر ہونا بھی ہے۔ آپؒ کی زندگی میں قرآن کریم ایک جزو لاینفک ہی نہیں بلکہ ایک محور و مرکز کی حیثیت سے دکھائی دیتا ہے۔

ہم زیرِ نظر مضمون میں امام خمینیؒ کی نظر میں فہم قرآن کریم کے اصول و شرائط اور اس کو درپیش موانع اور رکاوٹوں کو زیر غور لائیں گے۔ آپؒ کے نزدیک فہم قرآن کریم آج کے دور کے بنیادی موضوعات و مسائل میں سے ہے چونکہ جس طرح دنیا نے ارتقاء و کمال کے زینوں کو عبور کیا ہے وہیں لوگوں کے ذہنوں میں ابہام و اشکالات و سوالات نے بھی جنم لیا ہے۔ ان اشکالات و سوالات کا حقیقی جواب حاصل کرنے کے لیے ہمیں کتابِ خدا کے در پر دستک دینی پڑتی ہے اور اس کے لیے ہماری فہم قرآن کریم سے آگاہی ضروری ہے تاکہ ہم موجودہ دور میں قرآن کریم کے فیوض و برکات سے استفادہ کرتے ہوئے اشکالات کے جوابات بھی دے سکیں اور ابہام کو ختم کر کے معاشرتی ارتقاء کا سفر قرآن کریم کی رہنمائی میں طے کر سکیں۔

یہاں ایک اہم اور بنیادی سوال جنم لیتا ہے کہ کیا قرآن کریم سب کے لیے قابلِ فہم ہے یا فقط ائمہ، مراجع، علماء، مجتہدین و مفسرین ہی اس کی رحمات کو سمیٹ سکتے ہیں اور اس کے علمی استعداد سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے انوار و کرامات سے ہر انسان استفادہ کر سکتا ہے مگر اس کے لیے کچھ معیارات و شرائط ہیں چونکہ ہم علمی استعداد سے تو ظواہر قرآن کریم سے مستفید ہو سکتے ہیں مگر بطون قرآن کریم سے بہرہ ور ہونے کے لیے ہمیں باطنی پاکیزگی اور تہذیب نفس درکار ہے۔

پہلے ہم امام خمینیؒ کی نگاہ میں فہمِ قرآن کریم کی اہمیت و ضرورت کو زیر بحث لائیں گے بعد ازاں اس کے سمجھنے کی شرائط کو بیان کریں گے نیز اسے سمجھنے کی راہ میں درپیش موانع کا ذکر بھی کیا جائے گا۔ آخر میں آپ کے نزدیک تفسیر کے اصول و مبانی کو بیان کرتے ہوئے تفسیر کرنے کی صحیح روش و طریقہ کار اور قرآن کریم کے اغراض و مقاصد پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

فہمِ قرآن کریم کی اہمیت وضرورت

امام خمینیؒ کی نظر میں قرآن ایک وسیع الٰہی دسترخوان ہے جس سے سب استفادہ کر سکتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ قرآن ایک ایسا دسترخوان ہے جسے خدا نے پوری انسانیت کے لیے بچھایا ہے۔ بشرطیکہ کوئی ایسا مریض نہ ہو جس کی کھانے کی طلب ہی ختم ہو چکی ہو۔ امراض قلب بھی انسان کی طلب کو ختم کر سکتے ہیں۔ اگر مریض نہ ہو اور اس کی طلب اور خواہش باقی ہو تو وہ قرآن کریم سے استفادہ کرے گا۔ جیسا کہ یہ دنیا بھی ایک وسیع دسترخوان ہے جس سے سب لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ کوئی اس کی گھاس سے فائدہ اٹھاتا ہے تو کوئی اس کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور کوئی اس کے دیگر وسائل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ انسان اس سے ایک طرح سے فائدہ اٹھا رہا ہے حیوان ایک اور طرح سے اور انسان مقام حیوانیت میں ایک اور انداز میں اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ انسان جتنا اوپر جائے گا خدا کے اس وسیع دسترخوان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرے گا۔ قرآن بھی اسی طرح سب کے لیے ایک عظیم دسترخوان ہے جس شخص کو جتنی بھی طلب اور خواہش ہوگی جس قدر قرآن کی طرف جائے گا اسی قدر استفادہ کرے گا۔ سب سے عظیم استفادہ تو وہ کرے گا کہ جس پر یہ نازل ہوا ہے۔(۱)

امام خمینیؒ معتقد ہیں کہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک وقت وحی سے تا روز قیامت تمام انسان چاہے وہ عام آدمی ہو یا عالم، فیلسوف ہو یا عارف، اسی طرح فقیہ ہو یا کوئی اور سب اس سے استفادہ کریں گے۔ اس میں ایسے مسائل بھی ہیں جو بزرگ علماء سے مختص ہیں جو بڑے فلسفی اور بزرگ عرفا ہیں، انبیاءؑ اور اولیاء ہیں۔ اس قرآن کے بعض مسائل کا اولیاء کے علاوہ اور کوئی ادراک نہیں کر سکتا مگر یہ کہ تفسیر کے ذریعے جس قدر اس بشر میں استعداد ہے اس کے مطابق استفادہ کر سکتا ہے۔ ایسے بھی مسائل ہیں کہ فلاسفر اور اسلام کے حکماء ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کچھ ایسے مسائل ہیں جن سے فقہائے بزرگ ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہ الٰہی دسترخوان سب کے لیے ہے۔ جس سے سب کے سب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سیاسی، اجتماعی، ثقافتی اور انتظامی ودفاعی مسائل سب اس کتاب میں موجود ہیں۔(۲)

آپؒ اس بات پر زور دیتے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کے اطراف میں عامیانہ بات نہیں کی جا سکتی۔ قرآن ایسا الٰہی دسترخوان ہے کہ جس سے تمام بشر ازل سے ابد تک فائدہ اٹھاتے رہیں گے اور اٹھا سکتے ہیں، البتہ ہر طبقے کا ایک خاص شعبہ ہے تو وہ اسی خاص شعبے میں اس سے استفادہ کرتا ہے فلاسفر فلسفی مسائل پر، عرفا عرفانی مسائل پر، فقہا فقہی مسائل پر، سیاستدان سیاسی واجتماعی مسائل کے لیے اس سے استفادہ کرتے ہیں لیکن اسلام میں سب کچھ ہے قرآن میں سب چیزیں ہیں، قرآن ایسی رحمت ہے جو سب کے لیے ہے۔(۳)

فہمِ قرآن کریم کی شرائط

قرآن کریم پڑھنے کا ہدف سمجھنا، عمل کرنا اور رشد وارتقا ہے۔ امام خمینیؒ کے نزدیک قرآن کریم پڑھنے کا ہدف اور اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو متاثر کرے اور انسان کا باطن کلام الٰہی کی تجلی بن جائے۔ یہ اسی صورت ممکن ہے کہ تلاوت قرآن کریم کے ظاہری اور باطنی آداب کا خیال رکھا جائے چونکہ اس کے بغیر سرفرازی کے مرتبے تک رسائی ناممکن ہے۔ امام خمینیؒ نے قرآن کریم سمجھنے کے اصول وشرائط اور چند معیارات بیان فرمائے ہیں جنھیں ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے:

1۔ شیطان کے شر سے خدا کی پناہ میں آنا

وسوسہ شیطانی انسان کے لیے معرفت کے حصول میں رکاوٹ ہے۔ اسی لیے پناہ گاہِ خداوندی اختیار کر کے فہم قرآن حاصل

کرنا آسان ہے اور امامؒ کے مطابق یہ اس کی شرط بھی ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ؛ (۴) پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو راندہ درگاہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ اسی لیے حصارِ رحمت الٰہی اور قرب پروردگار ہی وہ ذریعہ ہے کہ جس کے طفیل معرفت الٰہی کے سفر کو طے کیا جاسکتا ہے۔ (۵)

2۔ اخلاص اور نیت کی پاکیزگی

خلوص اور نیت کی پاکیزگی قلوب کو متاثر کرتی ہے۔ اعمال کی بنیاد جس قدر خلوص اور پاکیزہ نیت پر ہوگی، اسی طرح اعمال کے معیاری ہونے کا اندازہ ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں امامؒ کے نزدیک اخلاص اور نیت کی پاکیزگی کی وجہ سے قلوب متاثر ہوتے ہیں اور اخلاص دلوں میں تبدیلی کا بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور اس کے بغیر اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی بلکہ تمام امور فضول اور عبث ہوتے ہیں۔ (۶)

3۔ ظاہری و باطنی طہارت

جب تک دنیا کی غلاظت انسان کے دل وقلب میں ہو اس وقت تک وہ قرآن کریم سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا چونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ؛ (۷) کہ یہ قرآن یقینا بڑی تکریم والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں ہے، جسے صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔

4۔ ترتیل

قرآن کی ترتیل سے تلاوت انسان کے قلب و روح پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کے پڑھا جائے اور جلدی و تیز تیز پڑھنے سے اجتناب کیا جائے (۸) چونکہ قرآن میں ہے کہ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا؛ (۹) اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے۔

لغت میں ترتیل کا معنی یہ ہے کہ آیات ایک دوسرے کے بعد اور خاص نظم و حساب سے آئی ہیں۔ یہ نظم و حساب قرآن کی تلاوت میں بھی حسن پیدا کرتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ قرآن کو آرام سے اور آہستہ آہستہ پڑھا جائے۔ اصطلاح میں ترتیل کا معنی قرآن کی آیات کا ایک نظم کے ساتھ پڑھنا، حروف کو صحیح ادا کرنا، کلمات کی تبیین، آیات کے معنی میں پوری توجہ کرنا اور اس کے نتائج کے بارے میں فکر کرنا ہے۔

5۔ قرآن کی عظمت و احترام

امام خمینیؒ قرآن کریم کا احترام اور اس کی تعظیم کرنے کو قلب کی نورانیت اور باطنی زندگی کو جلا بخشنے کا باعث سمجھتے ہیں نیز اسے قرآن کریم کے اہم آداب میں شمار کرتے ہیں۔ (۱۰) آپ کے نزدیک قرآن کریم کا احترام ایک ظاہری عمل نہیں ہے بلکہ عملی امر ہے اور یہ اس صورت میں متحقق ہوسکتا ہے کہ جب ہم قرآن کریم اور جس پر یہ عظیم آسمانی کتاب نازل ہوئی ہے اس کی حقیقی معرفت و شناخت حاصل کریں۔ اس آسمانی کتاب کی عظمت کے بیان کے لیے یہی کافی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے اس کے بارے میں فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (۱۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے اللہ کے خوف سے جھک کر پاش پاش ہوتا ضرور دیکھتے اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ فکر کریں۔

6 تفکر اور تدبر

آیات مبارکہ کے معانی پر غور کرنا نیز ظلمات اور تاریکیوں سے نکل کر نور و روشنی کے سفر پر گامزن ہونے کے لیے غور و فکر کرنا، تلاوت و قرائت قرآن کریم کے نہایت اہم و عظیم آداب میں سے ایک ہے کہ جس کے بارے میں شریعت میں بہت زیادہ تاکید و سفارش کی گئی ہے۔(۱۲) قرآن کے نزول کا بنیادی مقصد اور ہدف غور و فکر کرنا ہے۔(۱۳) اور امام علی علیہ السلام بھی بغیر غور و فکر کے پڑھنے کو بے فائدہ اور خیر و بھلائی کے فقدان سمجھتے ہیں آپؑ فرماتے ہیں کہ جس قرائت میں تدبّر نہ ہو، اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔(۱۴)(۱۵) امام خمینیؒ کی نظر میں تدبر کی ذریعہ ہی قرآن سے مستفید ہونے کی راہ ہموار ہوتی ہے اور انسان کے لیے نئے باب کھلتے ہیں اور یوں وہ قرآن کریم کی جدید معارف سے استفادہ کرسکتا ہے۔(۱۶)

7۔ قرآن کا تطبیق و نفاذ (قرآن سے معیار و موازنہ)

انسان آیات کے معانی و مفاہیم پر اپنی شخصیت کو پرکھے کہ آیا اس کی زندگی دستورِ قرآنی کے مطابق ہے یا نہیں؟ آیا وہ اپنے مسائل و مشکلات کا حل قرآن سے اخذ کرکے کامیابی، فلاح اور نجات کا سامان مہیا کر رہا ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ جو ہمارے درد کا درمان اور علاج پیش کرتی ہے۔ اس کے حروف اور پیغام بھی روحانی بیماری کی شفا اور بھٹکے ہوؤں کے لیے رہنما ہے(۱۷) نیز امام خمینیؒ کے نزدیک جس طرح روایات کی صحت و سقم کا معیار قرآن کریم ہے،(۱۸) اسی طرح انسان کی سعادت و شقاوت اور انسانی اعتقادات کا معیار بھی قرآن کریم ہے۔ جو قرآن کریم سے موافق ہو وہ موجب سعادت ہوتا ہے اور جو قرآن کریم سے مخالف ہو وہ شقاوت و بدبختی کا باعث بنتا ہے اور اسے ترک کردینا چاہیے۔(۱۹)

فہم قرآن میں موانع اور رکاوٹیں

امام خمینیؒ اور دیگر مفسرین نے قرآن کریم کو سمجھنے کی راہ میں درپیش موانع کا بھی ذکر کیا ہے جنھیں ترک کیے بغیر قرآن کریم کا فہم حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے۔(۲۰)(۲۱)(۲۲) ان موانع کو امام خمینیؒ نے حجاب سے تعبیر کیا ہے جن میں سے چند ایک کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:

1) علمی غرور

فہم قرآن کے موانع اور حجابات میں سے سب سے بڑا خود بینی ہے یہ انسان میں خدا اور قرآن کی رہنمائی سے بے نیاز ہونے کا زعم پیدا کرتی ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ اس دسترخوان الٰہی سے بے نیازی کا خیال درحقیقت شیطانی وسوسہ کی وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان اپنی شخصیت کو کامل سمجھنے لگتا ہے اور یہ خیال اس کو حقیقی کمالات سے دور کردیتا ہے۔ مثلاً تجوید کے ماہرین علم تجوید پر ہی نازاں ہوجاتے ہیں اور قرآن کے دیگر علوم و معارف کو اہمیت نہیں دیتے۔(۲۳) اسی طرح ماہرین ادب لفظی و ادبی سانچے پہ اکتفا کرلیتے ہیں مگر اس کی روح اور پیام سے بے بہرہ رہتے ہیں اور قرآن کے جن محدود علوم سے آگاہ ہوتے ہیں فقط انہی کی ترویج کرتے ہیں اور بدقسمتی سے قرآن کی مختلف علمی ابعاد و جہات کو اسی میں محدود کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل تفسیر بھی پرانے دھارے پر چلتے رہنے میں سرگرم رہتے ہیں اور مختلف قرائت کی وجوہات، ارباب لغت کی مختلف آراء، وقت نزول، شان نزول آیات اور

سورتوں کے مکی و مدنی ہونے جیسی باتوں میں ہی لگے رہتے ہیں۔ یہ علمی غرور قرآن کریم کو سمجھنے کی راہ میں رکاوٹ ہے جسے ترک کیے بغیر قرآن کریم کی مختلف جدید ابعاد و جہات سے آشنائی ناممکن ہے۔(۲۴)(۲۵)

2) گناہ اور معصیت

قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کتاب الٰہی کے معارف و نصائح سے مستفیض ہونے میں ایک حجاب، ان گناہوں اور معصیتوں کا حجاب ہے جو پروردگار عالم کی بارگاہ اقدس میں سرکشی اور نافرمانی سے سرزد ہوتی ہیں، دلوں کو سیاہ کر دیتی ہیں اور یہی اعمال بد اور معصیتیں انسان کی تنزلی اور قرآن کریم سے دوری کا موجب بنتی ہیں۔ درحقیقت انسان کے اعمال کے اثرات اس کے قلب پر ہوتے ہیں۔ اگر وہ اعمال نیک انجام دے تو باطن نفس میں نورانیت پیدا ہوتی ہے جس سے قلب پاکیزہ اور نورانی ہوتا ہے۔ اسی طرح پلید اور غلیظ افعال انجام دیے جائیں تو لوح قلب زنگ آلود اور آئینہ قلب میلا ہو جاتا ہے اور معارف الٰہی سے فیضیاب ہونے میں موانع پیدا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ایسی صورت میں قلب شیطانیت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور مملکت روح پر ابلیس کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے آنکھ، کان اور دیگر قوتوں پر ابلیس کے قبضے کی وجہ سے کان معارف الٰہی سننے سے بہرے اور آنکھیں الٰہی روشن نشانیوں کو دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؛(۲۶) ان کے پاس دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

دراصل ان کے دل چوپایوں اور جانوروں کی طرح ہو جاتے ہیں جو تفکر و تدبر سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ آیات میں نظر و فکر اور معارف و نصیحت سننے سے ان کی غفلت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا ہے لہذا وہ حیوانات سے بھی زیادہ پست اور گمراہ ہیں۔(۲۶)

3) مفسرین کے اقوال پر اکتفا اور جمود

قرآن جیسے نورانی صحیفہ سے استفادہ کے موانع میں سے ایک مانع یہ اعتقاد ہے کہ مفسرین جو کچھ لکھ اور سمجھ چکے ہیں اس سے ہٹ کے کسی کو قرآن سے استفادہ کا حق نہیں ہے۔ اس نظریے کے حامل افراد آیات شریفہ میں تدبر اور تفکر کو تفسیر بالرائے قرار دیتے ہیں جو ممنوع ہے اس فاسد رائے اور باطل عقیدے سے قرآن شریف سے استفادہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے اس طرز عمل نے اسے کلی طور پر مہجور کر دیا ہے حالانکہ اخلاقی، ایمانی اور عرفانی استفادے کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں کہ تفسیر بالرائے کا سوال پیدا ہو۔(۲۸)

4) تعصب اور اندھی تقلید (فاسد آراء درک قرآن میں رکاوٹ)

ایک اور حجاب، فاسد آراء اور باطل مذاہب اور مسالک کا ہے جو کبھی خود انسان ہی کی سوء استعداد سے اور زیادہ تر اندھی تقلید سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسے حجابوں میں سے ایک ہے جس نے خاص کر معارف قرآن سے ہمیں محروم کیا ہوا ہے۔ مثلاً اگر کوئی فاسد اعتقاد صرف ماں باپ سے سن لینے کی وجہ سے، یا بعض جاہل اہل منبر سے سن کر ہمارے دل میں راسخ ہو گیا، تو یہ فاسد اعتقاد ہمارے اور آیات الٰہیہ کے درمیان پردہ بن جائے گا، چاہے ہزاروں آیات و روایات بھی وارد ہو جائیں اندھے مقلد انھیں سنجیدگی سے نہیں لیتے۔(۲۹)

امام خمینیؒ کے تفسیری اصول ومبانی

قرآن کریم کی تفسیر چنداصول ومبانی پر مبنی ہوتی ہے جن میں سے چنداہم کو یہاں امام خمینیؒ کے نقطہ نظر سے زیر بحث لایا جارہا ہے:

1۔ فہمِ قرآن کریم کامکمل علم

امام خمینیؒ کے نزدیک قرآن کریم کے تمام حقائق اور تعلیمات کا علم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارثانِ علم یعنی ائمہ علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔(۳۰) امام خمینیؒ کے اس نظریہ کی تائید روایات کے علاوہ عقل وعرفان سے بھی ہوتی ہے۔ کلام الٰہی میں لامحدود پوشیدہ حقائق وعلوم کے خزانے موجود ہیں۔

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا«(۳۱)

کہہ دیجئے: میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لیے اگر سمندر روشنائی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اگرچہ ہم اتنے ہی مزید (سمندر) سے کمک رسانی کریں۔

اس حوالے سے امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ محدود ہرگز لامحدود کو اپنی قدرت کے احاطے میں نہیں لے سکتا مگر یہ کہ وہ محدودیت سے خارج ہو جائے اور لامحدود ہو جائے۔ امام خمینیؒ کے نزدیک اس لامحدود انسان کے مصداق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہؑ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسانِ کامل ہی لامحدود کے مقام تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب محدود، لامحدود کمال مطلق سے متصل ہو جائے اور لامحدود میں فنا کے مقام تک پہنچ جائے۔ اس صورت میں وہ تمام صفات میں لامحدود ہو جاتا ہے اور یوں وہ قرآن کریم کے تمام علوم وحقائق سے بطور کمال احاطہ کرلیتا ہے اور جس طرح قرآن سے استفادہ کرنے کا حق ہوتا ہے، استفادہ کرلیتا ہے۔(۳۲)

امام خمینیؒ ایک اور مقام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو کامل طور پر سمجھنے کی قدرت ہم نہیں رکھتے، اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو ''انما یعرف القرآن من خوطب بہ'' ہو، قرآن کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کا مخاطب ہے اور واضح ہے جو ہستی ''من خوطب بہ'' ہے اور قرآن کو سمجھ سکتی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔(۳۳)

2۔ سب کی فہمِ قرآن تک محدود رسائی

امام خمینیؒ کے بیانات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قرآن کریم سے تمام افراد اپنی استعداد کے مطابق قرآن سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ امام خمینیؒ دیگر بعض اخباری علماء کی طرح نہیں ہیں جو فہم قرآن کے دروازے کو غیر معصوم کے لیے بند تصور کرتے ہیں اور انسان کی عقل، فہم وخرد کو بے اعتبار جانتے ہیں۔ امام خمینیؒ کے مطابق قرآن کے نزول اور مبعثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد تعلیمات قرآنی سے فیضیاب ہو کر کمال کا سفر طے کریں۔ علماء، عرفاء، فقہاء، محدثین وفیلسوف قرآن کریم سے فیضیاب بھی ہوتے ہیں جب کہ بسا اوقات ان کا زاویہ نگاہ مختلف ہوتا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ فہم قرآن کے مختلف مراتب ہیں اور ہر ایک خاص مرتبے تک رسائی پاتا ہے۔(۳۴)

3۔ ظاہر وباطن قرآن کریم

تفسیر قرآن کریم کے اصولوں میں سے مزید ایک اصول امام خمینیؒ کی نظر میں یہ ہے کہ قرآن کریم کے مختلف مراتب ہیں جو ظاہر قرآن سے شروع ہو کر باطن کے آخری مرتبے تک ہیں۔ یہ گمان نہ کرنا کہ قرآن جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یہی پوست اور صورت ہے۔ جان لو کہ اس کی جلد کی صورت کی حد تک رک گیا اور اس کے ظاہری مقام تک رہنا اس کے باطن وروح تک نہ پہنچنا

باعث ہلاکت ہے۔

سب سے پہلے جو ظاہری حد تک رک گیا اور اس کے دل کی آنکھ باطن تک نہ پہنچ سکی اور اندھی ہو گئی وہ شیطان لعین تھا چونکہ وہ آدمؑ کی ظاہری صورت کو ہی دیکھ سکا۔ اصل حقیقت اس پر عیاں نہ ہو سکی۔ آدمؑ کے باطن کو درک نہ کرنا اور فقط ظاہر پر نظر رکھنا بغیر توجہ کے نورانیت و روحانیت کے مقام کو نہ دیکھنا مذہب سے خارج ہونے کا باعث ہے۔ (۳۵)

تفسیر کا درست طریقہ کار

امام خمینیؒ مفسرین پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مفسرین کیوں قرآن کے مقصود کا ادراک نہیں کرتے اور کتب کے نزول اور انبیاء (ع) کی بعثت کے اصل مقصد کی تشریح کیوں نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تفسیری نظریات کا ایک نمایاں نکتہ قرآن کے مقاصد سے متعلق آپ کی تاکید ہے۔ ان کی نظر میں اگر مفسر کتاب کے مقاصد کو واضح نہ کرے تو چاہے تشریح کلمات میں کامیاب ہو جائے پھر بھی وہ مفسر نہیں ہے۔ مفسر قرآن ہونا قرآن کے مقاصد کا مفسر ہونا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفاسیر کہ جو شروع سے اب تک لکھی گئی ہیں، قرآن کی تفاسیر نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض قرآن کا تقریباً ترجمہ ہیں اور ان سے قرآن کی بہت کم خوشبو آتی ہے۔ (۳۶)

قرآن کریم کے اغراض و مقاصد

امام خمینیؒ تفسیر کے معنی کو مقاصد کے ذکر اور شرح و بیان سے متعلق فرماتے ہیں:

کلی طور پر کتاب کی تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ اس کتاب کے مقاصد کی تشریح کی جائے اور اہم مقصد صاحب کتاب کا مقصود بیان کرنا ہو۔ یہ کتاب شریف جو خدا تعالیٰ کی گواہی کے مطابق ہدایت و تعلیم کی کتاب اور سلوک انسانیت کے راستے کا نور ہے، مفسر کو چاہیے اس کے قصص میں سے ہر واقعے، بلکہ آیات میں سے ہر آیت کے عالم غیب کی جانب ہدایت کے پہلو، سعادت و سلوک کے راستوں اور معرفت و انسانیت کی راہ کی جانب راہنمائی کے طریقے سے متعلم کو آگاہ کرے۔ مفسر جس وقت ہمیں مقصد نزول سمجھاتا ہے مفسر ہے، نہ کہ وہ سبب نزول کہ جس طرح تفاسیر میں بیان ہوا ہے کو ذکر کرتے وقت مفسر ہے۔ (۳۷)

امام خمینیؒ اپنی تحریروں اور تقاریر میں قرآن کے گونا گوں مقاصد کو زیر بحث لائے ہیں اور انسان کے کمالات کی زیادہ تاکید کی ہے:

کتاب خدا، معرفت و اخلاق اور کمال و سعادت کی طرف دعوت کی کتاب ہے اور تفسیر کتاب بھی عرفانی اور اخلاقی کتاب اور عرفانی و اخلاقی اور سعادت کی دوسری جہات کی دعوت کی کتاب ہونی چاہیے اور اس پہلو سے غفلت کرنے، اسے اہمیت نہ دینے اور اس سے صرف نظر کرنے والے مفسر نے آسمانی کتب کے نزول اور انبیاء کی بعثت کے اصل مقصد سے غفلت کی ہے اور یہ ایک ایسی خطا ہے جس نے صدیوں اس ملت کو قرآن کے استفادے سے محروم رکھا اور لوگوں کی ہدایت کے راستے کو بند کر دیا۔ (۳۸)

حاصل بحث:

زیر نظر مضمون میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امام سید روح اللہ موسوی الخمینیؒ کی قرآنی تعلیمات و افکار ہمیں ظواہر قرآن سے نکال کر بواطن تک جانے کی رہنمائی کرتی ہیں اور ہمیں کمالات کا سفر طے کرنے کی سمت فراہم کرتی ہیں۔ امام خمینیؒ ہمیں قرآن کریم کو مختلف ابعاد و جہات سے سیکھنے، سمجھنے اور اس پر کاربند ہونے کی جانب متوجہ کر رہے ہیں اور دریچہ عقل انسانی پر دستک دے کر پرواز کی دعوت دے رہے ہیں نیز آپ کے قرآنی افکار درحقیقت انسان کو قرآن کریم کے محدود علوم سے نکال کر لامحدود علوم قرآنی

میں غوطہ زن ہو کر محدودیت سے لامحدودیت کی جانب لانے کا زینہ فراہم کر رہی ہیں۔

آپ نے فہمِ قرآن کی جن ابعاد پر روشنی ڈالی اس مضمون میں ان کو مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ابتدائی سطور میں اہمیت فہم قرآن اور قرآن کریم کو سمجھنے کی ضرورت کو بیان کیا گیا، بعدازاں اس کے سمجھنے کی شرائط کو بیان کیا گیا اور قارئین کرام کو امام خمینیؒ کی نظر میں شیطانی جال سے نکل کر حصارِ رحمتِ الٰہی میں آنے کی دعوت دی گئی اور خلوص نیت کی جانب متوجہ کیا گیا۔ چونکہ اعمال ،نیت اور پاکیزگی خلوص پر منحصر ہوتے ہیں اور قرآن کریم کی رحمات سے بہرہ مند ہونے کے لیے بھی پاکیزگی خلوص اور طہارتِ نیت درکار ہے۔امام خمینیؒ ایک بنیادی نکتے کی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انسان کو باطن وظاہر کی طہارت درکار ہے اور ترتیل سے تلاوت کر کے اپنے قلب وروح کو متاثر کرے اور ترتیل درحقیقت آیات قرآنی میں تفکر وتدبر کی دعوت دیتا ہے نیز آپ معتقد ہیں کہ انسان کو قرآن سے اپنی زندگی کا تقابل وموازنہ کرنا چاہیے، اگر اس کی زندگی تعلیمات قرآنی کے موافق ہو تو وہ راہ فلاح پر ہے وگرنہ وہ بربادی کے دہانے پر ہے۔

ہم نے کوشش کی کہ امام خمینیؒ کی نگاہ میں فہم قرآن کی راہ میں درپیش موانع وحجابات کو بھی بیان کیا جائے اور اس کے لیے آپ کے قرآنی افکار ہمیں علمی غرور کو ترک کر کے لامحدودیت کا سفر طے کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور گناہ ومعصیت سے بچنے کی رہنمائی کرتی ہیں۔ہم نے اخذ کیا کہ آپ معتقد ہیں کہ علمی غرور یا معصیت وگناہ کے ذریعے قرآن کریم سیکھنے کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہو جاتی ہیں نیز آپؒ کی نگاہ بابصیرت کے مطابق مفسرین کو چاہیے کہ روایتی انداز کے بجائے مقاصد قرآن کو اپنی تفاسیر کا موضوع بنائیں۔موانع وحجابات کے آخری نکتے میں ہم نے دیکھا کہ آپ تعصب واندھی تقلید کی شدید نفی کرتے ہیں۔

اس مضمون میں امام خمینیؒ کے نقطہ نظر کے مطابق تفسیر کے اصول ومبانی کو بھی زیر بحث لایا گیا جس میں آپ فہم قرآن کے مکمل علم تک عدم رسائی کو بیان کر رہے ہیں اور عقل وفہم وخرد کے ذریعے لامحدود علوم وحقائق قرآنی تک دسترس حاصل کرنے کی جانب متوجہ کر رہے ہیں نیز آپ کی قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ہم نے تفسیر کرنے کی صحیح روش وطریقہ کار اور قرآن کریم کے اغراض و مقاصد کو بھی اخذ کیا اور قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر کے امام خمینیؒ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق فہمِ قرآن کی دعوت دی ہے۔

حوالہ جات

1۔ امام خمینی علیہ الرحمہ کے قرآنی افکار، ص ۱۰۰

2۔ امام خمینی علیہ الرحمہ کے قرآنی افکار، ص ۱۰۱

3۔ امام خمینی علیہ الرحمہ کے قرآنی افکار، ص ۱۰۲

4۔ سورہ نحل/۹۸

5۔ امام خمینی، آداب الصلوۃ، ص ۲۲۱، چ ۱، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی

6۔ امام خمینی، چهل حدیث، ص ۵۰۰۔

7۔ واقعہ/۷۷تا۷۹

8۔ امام خمینی، شرح حدیث جنود عقل و جهل، ص ۵۰۴، چ ۲، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی

9۔ مزمل/۴

10۔ امام خمینی، آداب الصلوۃ، ص ۱۸۱، چ ۱، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی،

11ـ حشر/۲۱

12ـ امام خمینی، چهل حدیث، ص ۵۰۔

13ـ نحل/۴۴، ص/۲۹

14ـ امام خمینی، آداب الصلوۃ، ص ۲۱۲، چ ۱، تهران، مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

15ـ فیض کاشانی، ملامحسن، المحجۃ البیضاء، ج ۲، ص ۲۳۷، چ ۲، قم دفتر انتشارات اسلامی۔

16ـ امام خمینی، آداب الصلوۃ، ص ۲۰۵، چ ۱، تهران، مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

17ـ امام خمینی، آداب الصلوۃ، ص ۲۰۶، چ ۱، تهران، مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

18ـ حر عاملی، وسائل الشیعه، ج ۱۸، ص ۷۸، بیروت، دار احیاء التراث العربی۔

19ـ امام خمینی، آداب الصلوۃ، ص ۲۰۸، چ ۱، تهران، مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ۱۳۷۰ ش۔

20ـ امام خمینی، آداب الصلوۃ، ص ۱۹۵-۱۹۷، چ ۱، تهران، مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ۱۳۷۰ ش۔

21ـ فیض کاشانی، ملامحسن، المحجۃ البیضاء، ج ۲، ص ۲۴۱، چ ۲، قم دفتر انتشارات اسلامی۔

22ـ تنکشف نراقی، محمد مهدی، جامع السعادات، ج ۳، ص ۳۷۴، چ ۳، تهران، مؤسسه مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۸۳ ق۔

23ـ فیض کاشانی، ملامحسن، المحجۃ البیضاء، ج ۲، ص ۲۴۱، چ ۲، قم دفتر انتشارات اسلامی۔

24ـ امام خمینی، شرح حدیث جنود عقل و جهل، ص ۸، چ ۲، تهران، مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

25ـ امام خمینی، شرح حدیث جنود عقل و جهل، ص ۶۲، چ ۲، تهران، مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

26ـ اعراف/۱۷۹

27ـ امام خمینیؒ کے قرآنی افکار، ص ۱۰۶

28ـ امام خمینیؒ کے قرآنی افکار، ص ۱۰۵

29ـ امام خمینیؒ کے قرآنی افکار، ص ۱۰۵

30ـ کلینی، اصول کافی، ج ۲، ص ۲۲۸، مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

31ـ کهف/۱۰۹

32ـ امام خمینیؒ کے قرآنی افکار، ص ۱۰۹

33ـ امام خمینیؒ کے قرآنی افکار، ص ۱۱۲

34ـ امام خمینی، صحیفه نور، ج ۱۴، ص ۲۵۲۔

35ـ امام خمینیؒ کے قرآنی افکار، ص ۱۰۸

36ـ صحیفه امام، ج ۱۹، ص ۸

37ـ آداب الصلاۃ، ص ۱۹۲

38ـ آداب الصلاۃ، ص ۱۹۲

□□□□□

قرآن: علم و بیان

زبیر شبیر، راولپنڈی

کیا آپ کے گھر میں بھی کوئی ننھا یوسف ہے؟

ہے ناں عجیب کتاب کے جو ہمارے احساسات اور دکھ درد کی ترجمان ہے۔تحریر کی زینت بڑھانا مقصد نہیں آیئے سیدھا آیت پر آتے ہیں۔

سورۃ الیوسف۔ آیت۔ 17

قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ

کہنے لگے اے ہمارے باپ ہم دوڑ رہے تھے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے اور چھوڑ دیا یوسف کو۔

کوئی لغوی اصطلاحی فلاسفی کی ضرورت نہیں سیدھی سی بات ہے۔

ٹھہر جا دل کے یہ اپنی ہی داستاں لگ رہی ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے گھر میں ہم بھائیوں میں بھی کوئی یوسف آج پیچھے رہ گیا ہے کہ اس شہرت اور دولت کی دوڑ میں ہم سبقت لے گئے اور یوسف پیچھے رہ گیا۔

ذرا کان لگا کر سنیں تو آج بھی بہت سے گھروں میں سے یوسف کی آوازیں آتی ہیں۔وہ یوسف کہ جسے ہم نے حسد کے کنوئیں میں پھینک دیا ہے۔ہم سب بھائی دولت میں سبقت لے گئے، عیش وعشرت کی زندگی گزر رہی ہے لیکن ہمارا ہی بھائی یوسف اکیلا رہ گیا بہت پیچھے رہ گیا۔سرمایہ داروں اور دولت مندوں کا کوئی قافلہ ادھر نہیں آتا جو ہمارے یوسف کو ہمارے ہی بنائے ہوئے حسد کے کنوئیں سے نکال سکے۔

ہر گھر میں ایک یوسف دکھائی دیتا ہے۔خدارا سبقت کی اس دوڑ میں اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لے کر چلیں ورنہ حسد کا بھیڑیا آپ کے بھائی کو کھا جائے گا۔

اپنے غریب بھائی کو گلے لگائیں، اسے عزت دیں اسے ثابت کریں کہ آپ اس کے ساتھ ہیں، اس کی کم علمی، کوتاہی، ناسمجھی کو معاف کریں۔ایسا کرنے سے آپ شاہ مصر بنیں نہ بنیں لیکن آپ سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بن جائیں گے۔امین یارب۔

اللہ آپ سب کے دل میں محبت کی وحی نازل فرمائے امین یارب۔

کیا ہم غیر مسلم کو اپنا بھائی کہہ سکتے ہیں؟

ایک بااخلاق خالق اور اس خالق کی بااخلاق کتاب اور بااخلاق رسول کا اخلاقی نظریہ ہمیشہ ہماری موجودہ پست ذہنی سے بہت بلند رہا ہے۔

تنگ نظری نے ہماری موجودہ اخلاقی حالت یہ کر دی ہے کہ ہم کسی بھی غیر مسلم کو بھائی کہتے ہوئے ہچکچاتے ہیں اگر کسی نے

یہودی، عیسائی، ہندو سکھ یا قادیانی کو بھائی کہہ دیا تو قیامت آجاتی ہے اور ہم ایک دم اگلے انسان کے ایمان کو ماپنے لگتے ہیں کہ کہیں یہ یہودی، عیسائی، قادیانی یا اسلام دشمن تو نہیں۔۔۔۔

میرے دردمند ساتھیو! ۔۔۔ نبی اکرم صل اللہ وعلیہ وسلم کے اخلاق کی گواہی دیتی ہوئی یہ آیت۔۔۔۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

ہمیں بتا رہی ہے کہ اقوام کی عظمت قوم کے اخلاق میں پنہاں ہے۔ رسول اللہ رحمت للعالمین ہیں رب کی رحمت کا اولین حقدار گنہگار ہے۔

لیکن ہمارا کردار اور سوچ ایسی ہے کہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ کوئی جہنمی جنت میں داخل نہ ہونے پائے ہم کسی غیر مسلم کو رحمت کے نزدیک نہیں آنے دیتے، یہاں تک کہ سلام علیکم کہتے ہوئے بھی پست ذہنی کا حال یہ ہے کہ فتوے سننے کو ملتے ہیں کہ فلاں کو سلام مت کہو، فلاں کو بھائی نہ کہو۔۔۔۔

سو میں نے یہ سوال آج قرآن سے پوچھ لیا کہ کیا میں کسی غیر مسلم کو بھائی کہہ سکتا ہوں تو جواب ایسا آیا کہ شرمندگی سے آنکھ اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔ ذرا آپ بھی ان آیات کو پڑھیے ہمارا ابا اخلاق خالق اخلاق کے کس درجے میں کفار سے مخاطب ہو رہا ہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمۡ ھُوۡدًا

ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو بھیجا

(Verse 65: Al-A'raf 7.QS)

وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاھُمۡ صٰلِحًا

ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا

(Verse 73: Al-A'raf 7.QS)

وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاھُمۡ شُعَیۡبًا

ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا

(Verse 85: Al-A'raf 7.QS)

اِذۡ قَالَ لَھُمۡ اَخُوۡھُمۡ نُوۡحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ

یاد کرو جبکہ ان کے بھائی نوحؑ نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟"

(Verse 106: 26 Ash-Shu'ara.QS)

اِذۡ قَالَ لَھُمۡ اَخُوۡھُمۡ لُوۡطٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ

یاد کرو جبکہ ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے کہا تھا: کیا تم ڈرتے نہیں؟"

(Verse 161: 26 Ash-Shu'ara.QS)

دل پر ہاتھ رکھیے اور سوچیے کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کسی غیر مسلم کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ کیا عاد وثمود اہل مدین مسلم تھے جو قرآن ان کی طرف بھیجے ہوئے رسولوں کو انکا بھائی کہہ رہا ہے۔ کیا نوح کی مغروق قوم مسلم تھی؟ کیا لوط کی مرجوم قوم مسلم تھی؟ اگر نہیں تھی تو قرآن ان کو ان کا بھائی کیوں کہہ رہا ہے؟

میرے بھائیو! اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں رحمت وسلامتی کا اولین حقدار وہ ہے جو اس رحمت وسلامتی سے محروم ہے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے ناتے ہماری اولین کوشش یہ ہونی چاہیے کہ انسانیت کو جہنم سے بچالیا جائے۔ ہم مسلم ہونے کے ناتے پوری انسانیت کو ایک امت مانتے ہیں۔ پوری انسانیت سے ہمارا رشتہ بھائی بندی کا رشتہ ہے۔

آخر میں ذرا اس آیت پر نظر دوڑا لیجیے۔ یہ مسلم کا مقصد حیات ہے اور یہ ہے وہ آیت جو ہماری موجودہ اخلاقی حالت درست کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ

نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اُس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

(Verse 34: Fussilat 41.QS)

اللہ آپ سب کے دل پر فہم القرآن نازل فرمائے امین یا رب۔

□□□□□

فتنہ کسے کہتے ہیں؟

ہماری اجتماعی معاشرتی حالت

وہ پہاڑ جس پر شیشوں کے ٹکڑے رکھ کر دور کھڑے ہو کر بندوق غلیل یا تیر سے نشانے پکائے جائیں بدو اس پہاڑ کو جبل الفتنہ کہہ کر پکارتے ہیں یعنی وہ تختہ مشق جس پر خیر و شر دونوں کے حصول کے لیے مشقیں کی جائیں فتنہ کہلاتا ہے۔ نشانہ بازی سیکھنے والے پر منحصر ہے کہ وہ اب اس ہنر سے انسانیت کا دفاع کرے یا اس ہنر کے ذریعے انسانیت کو قتل کرے۔

لیکن ہم نے بحیثیت قوم فتنے کے لفظ کو اتنا نفرت انگیز بنا دیا ہے کہ ہم کبھی بھی کسی فتنے سے خیر پیدا کر ہی نہیں سکتے۔

مسلم کی معراج یہ ہے کہ وہ شر سے خیر پیدا کرنے کا ہنر جانتا ہے۔

جس معاشرے میں انسانوں کا معیار یہ ہو کہ وہ ہر غلط کام پر خاموش ہوں، کسی مجرم کے جرم پر انھیں کوئی غیرت شرم نہ آئے، کسی بیٹی کی عزت لٹنے پر کسی کا دل نہ پھٹے اور بھوک عزتوں کے جنازے نکال دے۔ ایسی قوم کے بارے قرآن کا اعلان سن لیجیے اگر معاشرہ اپنے فرائض وحقوق پر خاموش تماشائی بنا بیٹھا رہے گا تو قوانین خداوندی اس بات کو بھول جائیں گے کہ اس معاشرے میں پرہیزگار کتنے ہے، حاجی نمازیوں کی تعداد کتنی ہے بلکہ قرآن کا اعلان ہے کہ یہ وہ فتنہ ہے جس میں مجرم و پرہیزگار دونوں لپیٹ دیے جائیں گے۔ عذاب صرف مجرموں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ظلم پر خاموش تماشائیوں کو بھی شریک جرم قرار دیا جائے گا۔

راہ چلتے ہوئے وہ مصیبت آ گلے لگے گی جس سے براہ راست آپ کا کوئی تعلق نہیں ہو گا لیکن چونکہ آپ اپنے معاشرے کے خاموش تماشائی ہیں سو خود کو اس فتنے کے لیے تیار رکھیے۔

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ

اور بچو اُس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف اُنہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

(Verse 25: Al-Anfal 8.QS)

اللہ آپ سب کے والدین پر برکتیں نازل فرمائیں امین یا رب۔

□□□□□

علامہ اقبال کے کلام میں قرآن حکیم کا ذکر

از حافظ محمد شہباز عزیز

رموزِ بے خودی

سفتہ گوش سطوتِ شاہاں نیم
قطع کن از روے قرآں دعویم

''میں بادشاہوں کی عظمت اور دبدبے کا غلام نہیں۔ میری گزارش یہ ہے کہ جو دعویٰ پیش کر رہا ہوں، اس کا فیصلہ قرآن مجید کے حکم کے مطابق کیا جائے''

پیش قرآن بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسندِ دیبا یکی است

''حق یہ ہے کہ قرآن مجید کے نزدیک آقا اور غلام کی حیثیت ایک ہے۔ چٹائی پر بیٹھنے والے درویش اور اطلس کی گدی کو زینت دینے والے بادشاہ میں کوئی فرق نہیں۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

''جب خلافت نے قرآن مجید سے تعلق توڑ لیا، حریت (آزادی) کے حلق میں زہر ڈال دیا گیا۔

رمزِ قرآں از حسین ؓ آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

''ہم نے قرآن مجید کی رمز امام حسین ؓ سے سیکھی ہے اور انہیں کی روشن کی ہوئی آگ سے شعلے جمع کرتے رہے ہیں

آں کہ در قرآں خدا او را ستود
آں کہ حفظِ جانِ او موعود بود

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعریف تو خود قرآن میں آئی ہے۔خدا نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حفاظت جان کا وعدہ کر لیا تھا''۔

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟
زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟
آں کتاب ِ زندہ ،قرآن حکیم
حکمت ِاو لایزال است و قدیم
نسخہ اسرار ِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

''(اے مسلم) کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرا آئین کیا ہے؟ اور اس آسمان (دنیا) کے نیچے تیرا قیام اور تیری قدر اور عزت کا راز کیا ہے؟ ہاں تیرا دستور وہ زندہ کتاب ہے جو قرآن حکیم کے نام سے معروف ہے، اس کی حکمتیں ابتدائے آفرینش سے مسلّم چلی آ رہی ہیں اور انہیں کبھی زوال نہ آئے گا۔قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو زندگی کے وجود پذیر ہونے کے راز بتاتی ہے، اس کی قوت سے ناپائیدار/ فانی بھی پائیداری/ بقا حاصل کر لیتی ہے''۔

تا دلش از گرمی قرآں تپید
موج بیتابش چو گوہر آرمید
خواند ز آیاتِ مبینِ او سبق
بندہ آمد، خواجہ رفت از پیشِ حق

''جب قرآن مجید کی حرارت سے عرب کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی تو اس کی بے قرار موج میں اسی طرح آسودگی پیدا ہو گئی جس طرح موتی میں آب و تاب کی موج آسودہ ہوتی ہے۔اس نے قرآن مجید کی روشن آیتوں کا سبق لیا۔وہ خدا کے سامنے غلام آیا تھا آقا بن کر رخصت ہوا''۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

''اگر تم مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہو تو یاد رکھو ایسی زندگی قرآن کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی''۔

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو از و کامے کہ می خواہی بیاب

''اے مسلمان! قرآن مجید کا تجھ پر حق ہے کہ تو اس کی تلاوت کرے اور تو جو مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے اسی سے حاصل کر (یعنی تیری ہر ضرورت قرآن مجید سے پوری ہوسکتی ہے)

اے کہ میداری کتابش در بغل
تیز تر نہ پا بہ میدان عمل

''اے ملت! اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید تیرے بغل میں یعنی پاس ہے۔اس کے نور سے فائدہ اٹھا اور عمل کے میدان میں چلنا شروع کردے''۔

خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندہ
در بغل داری کتابِ زندہ

''جانتا ہے کہ تو کیوں ذلیل ہوا؟ تیری ذلت کا اصل سبب یہ ہے کہ تو نے قرآن کو چھوڑ دیا اور زمانے کی گردش کے شکوے کرنے لگا۔اے شبنم کی طرح زمین پر گرنے والے! تیرے پاس ایک زندہ کتاب قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے تو اس سے زندگی کا سبق لے''۔

مردہ بود از آب حیواں گفتمش
سرّے از اسرارِ قرآں گفتمش

''یہ مر چکے تھے، میں نے انہیں آب حیات کی باتیں سنائیں اور قرآن کے بھیدوں میں سے ایک بھید انہیں بتایا کہ شاید یہ پھر زندگی سے بہرہ ور ہوجائیں''۔

گر دلم آئینہ بے جوہر است
ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
اے فروغت صبح اعصار و دہور
چشم تو بینندہ ما فی الصدور
پردہ ناموسِ فکرم چاک کن
این خیاباں را ز خارم پاک کن

''اگر میرے دل کا آئینہ جوہروں سے خالی ہے،اگر میری باتوں میں قرآن مجید کے سوا بھی کچھ ہے تو حضور والا! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روشنی تمام زمانوں کے لیے صبح کا سروسامان ہے اور آپ کی آنکھ سینے کے اندر کی سب چیزیں دیکھ رہی

ہے۔آپ میری فکر کی عزت وحرمت کا پردہ چاک کر دیجئے اور ایسا انتظام فرمائیے کہ میرے کانٹے سے پھولوں کی یہ کیاری پاک ہو جائے''۔

گر درِ اسرارِ قرآں سفتہ ام
با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
اے کہ از احسان تو ناکس کس است
یک دعایت مزد گفتارم بس است

''اگر میں نے صرف قرآنی اسرار کے موتی پروئے ہیں اور مسلمانوں کے سامنے سچی باتیں کہی ہیں تو حضور (ﷺ) والا! آپ کا احسان ہر بے حیثیت کو صاحب حیثیت بنا دیتا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا، اس کے بدلے میں صرف آپ کی دعا کافی ہے''۔

قلبِ مومن را کتابش قوت است
حکمتش حبل الورید ملت است

''رسول اللہ (ﷺ) جو کتاب لائے یعنی قرآن مجید وہ بندہ مومن کے دل کے لیے قوت و استحکام کا سامان ہے اور جو حکیمانہ ارشادات حضور (ﷺ) کی زبان مبارک پر جاری ہوئے انہیں ملت کی زندگی میں شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے''۔

جاوید نامہ

ز ورقِ ما خاکیاں بے ناخدا ست
کس نداند عالم قرآں کجا ست

''ہم خاکیوں یعنی انسانوں کی کشتی ملاح کے بغیر ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ قرآن کریم کا جہان کہاں ہے''۔

اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامنِ قرآں بگیر آزاد شو!

''اے (وہ شخص) تو جو افرنگی کی بے جا قسم کی پیروی کا غلام بنا ہوا ہے اس سے آزاد ہو جا۔ قرآن کریم کا دامن تھام اور صحیح معنوں میں آزاد ہو جا''۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتہ شمشیرِ قرآنش کنی

''شیطان کو مارنا مشکل کام ہے کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں میں گم ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تو اسے مسلمان کر لے اور قرآن کریم کی تلوار سے قتل کر دے''۔

حفظ ِ قرآں عظیم آئینِ تست
حرفِ حق را فاش گفتن دین تست

''قرآن کریم کی حفاظت تیرا آئین (دستور) ہے اور حق بات کو واضح طور پر بیان کرنا تیرا دین ہے''۔

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است
رسم و آئین مسلمان دیگر است
در دلِ او آتش سوزندہ نیست
مصطفیٰ در سینہ او زندہ نیست
بندہ مؤمن ز قرآ ں بر نخورد
در ایاغ او نہ مے دیدم، نہ درد!

''قرآن کی منزل اور اس کا مقصود اور ہے۔ مسلمان کے رسم و آئین اور ہیں۔ (آج کا مسلمان قرآن اور اس کی تعلیمات سے دور ہوتا جا رہا ہے)۔ اس کے دل میں جلا دینے والی آگ نہیں ہے۔ (جو باطل کو جلا دے) اور حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کے سینے میں زندہ نہیں ہیں۔ اس کے دل میں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی محبت نہیں رہی۔ بندہ مومن نے قرآن سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ میں نے اس کے پیالے میں نہ تو شراب ہی دیکھی ہے اور نہ تلچھٹ ہی دیکھی ہے''۔

جز بقرآں ضیغمی روباہی است
فقر قرآں اصل شاہنشاہی است
فقر قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل ندیدم جز بہ ذکر

''قرآن کے بغیر شیر بھی لومڑی پن ہے اور قرآن کا فقر اصل شہنشاہی ہے۔ قرآن کا فقر ذکر اور فکر کا اختلاط ہے، میں نے ذکر کے بغیر فکر کو کامل (مکمل) نہیں دیکھا''۔

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندہ بے ساز و برگ!

''قرآن کیا ہے؟ قرآن قابض وڈیرہ کے لیے موت کا پیغام ہے اور بے ساز و سامان یا مفلس غلام کا مددگار ہے''۔

نقش قرآں تا دریں عالم نشست
نقشہاے کاہن و پاپا شکست
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
این کتابے نیست چیزے دیگر است!

’’جب قرآن کا نقش اس جہاں پر ثبت ہوا تو برہمنوں اور پادریوں کے نقش مٹ گئے۔ میرے دل میں جو کچھ پوشیدہ ہے میں واضح طور پر بیان کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ یہ (قرآن) کوئی کتاب نہیں ہے، کچھ اور ہی چیز ہے‘‘۔

محفل ما بے مے و بے ساقی است
ساز قرآں را نواہا باقی است

’’ہماری محفل شرب اور ساقی کے بغیر ہے، مگر قرآن کے ساز کے نغمے اپنی جگہ برقرار ہیں‘‘۔

حق اگر از پیش ما بردار دش
پیش قومے دیگرے بگذار دش

’’اگر اللہ تعالیٰ اسے (قرآن کریم کو) ہمارے سامنے سے اٹھالے تو وہ اسے کسی اور قوم کے سامنے رکھ دے گا‘‘۔

ترسم از روزے کہ محرومش کنند
آتش خود بر دلِ دیگر زنند!

’’میں اس دن سے ڈرتا ہوں کہ مسلمانوں کو قرآن سے محروم نہ کر دیا جائے اور مولا کریم اپنے عشق کی آگ کسی اور کے دل پر نہ ڈال دے‘‘۔

’’(آج کے) مسلمانوں کے سینے قرآن کی حرارت سے خالی ہو گئے، ایسے لوگوں سے بہتری یا بھلائی کی کیا امید کی جاسکتی ہے‘‘۔

صاحب قرآن و بے ذوقِ طلب
العجب ثم العجب ثم العجب

’’(عجیب بات ہے کہ) مسلمان صاحب قرآن ہوتے ہوئے (قرآن مجید کا حامل) بھی طلب کے ذوق سے محروم ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے (تعجب ہے، دوبارہ تعجب ہے اور سہ بارہ تعجب ہے)‘‘۔

مردِ مومن را عزیز اے نکتہ رس
چیست جز قرآن و شمشیر و فرس؟

’’اے نکتہ کو پا جانے والے عزیز! مرد مومن کے لیے قرآن، تلوار اور گھوڑے کے سوا ہوتا بھی کیا ہے‘‘۔

چوں سرمہ رازی را از دیدہ فروشستم
تقدیر امم دیدم پنہاں بکتاب اندر

’’جب میں نے اپنی آنکھوں سے رازی (کی تفسیر) کا سرمہ دھوڈالا تو میں نے قوموں کی تقدیر (راز) کتاب (قرآن) کے اندر چھپی دیکھی‘‘۔

دین حق از کافری رسوا تر است
زانکہ ملا مومن کافر گر است

’’آج دین حق کافری سے بھی زیادہ رسوا ہو چکا ہے کیونکہ ہمارا ملاّ کافر گر مومن ہے‘‘۔

از شکر فیہائے آں قرآں فروش
دیدہ ام روح الامیں را در خروش

’’اس قرآن فروش (فسادی ملاں) کی عجیب وغریب باتوں سے میں نے روح الامین جبرئیل کو واویلا کرتے دیکھا ہے‘‘۔

زانسوے گردوں دلش بیگانہ ئی
نزد او ام الکتاب افسانہ ئی

’’آج کے ملاّ کا دل آسمان سے دوسری طرف کی دنیا سے بیگانہ (ناآشنا) ہے۔اس کے نزدیک قرآن پاک محض ایک افسانہ ہے‘‘۔

مکتب و ملا و اسرار کتاب
کور مادر زاد و نور آفتاب

’’مدرسہ اور ملا اور قرآن کے اسرار کچھ اس طرح ہیں جیسے کوئی مادر زاد اندھا اور سورج کی روشنی ہو‘‘۔

دل بآیات مبیں دیگر بہ بند
تا بگیری عصر نو را در کمند

’’تو قرآن کریم کی روشن آیات سے دوبارہ دل لگا تا کہ تو عصرِ حاضر کو کمند میں گرفتار کر سکے‘‘۔

کس نمی داند ز اسرار کتاب
شرقیاں ہم غربیاں در پیچ و تاب

’’کوئی بھی کتاب (قرآن کریم) کے رازوں سے آگاہ نہیں ہے۔اسی لیے کیا اہل مشرق اور کیا اہل مغرب سبھی الجھاوَ میں پڑے ہوئے ہیں،گمراہ ہیں‘‘۔

چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیر خویش و در قرآں نگر

''اگر تو مسلمانوں کا سا حوصلہ رکھتا ہے تو پھر ذرا اپنے ضمیر میں جھانک اور قرآن پر نگاہ ڈال''۔

صد جہان تازہ در آیات اوست
عصر ہا پیچیدہ در آنات اوست

''اس کی آیات میں سینکڑوں نئے جہان موجود ہیں۔اس مرد مومن کے زمان میں بہت سے ادوار مضمر ہیں''۔

یک جہانش عصر حاضر را بس است
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است

''قرآنِ کریم کی آیات میں موجود جہانوں میں سے دورِ حاضر کے لیے ایک ہی جہان کافی ہے۔اگر تیرے سینے میں معنی رس دل ہے تو وہ جہان لے لے''۔

چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش

''جب کوئی جہان اس کے پہلو میں پرانا ہو جاتا ہے تو قرآن کریم اسے ایک اور نیا جہان عطا کر دیتا ہے''۔

پیامِ مشرق

سید کل، صاحب ام الکتاب
پردگیہا بر ضمیرش بی حجاب

''آپ کُل (موجودات) کے سردار اور صاحب ام الکتاب ہیں جن کے قلب (دل) پر چھپی ہوئی چیزیں آشکار ہیں، پوشیدہ باتیں ظاہر ہیں''۔

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

برگ و سازِ او ز قرآنِ عظیم
مرد درویشے نگنجد در گلیم

''فقر کا سامان قرآن عظیم ہے۔مرد درویش گودڑی میں نہیں سماتا''۔

فقر قرآں احتسابِ ہست و بود
نے رباب و مستی و رقص و سرود

’’قرآن کا فقر کائنات کا احتساب ہے،کوئی ساز و آواز، بدمستی اور رقص و سرود کا نام نہیں ہے‘‘۔

اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم
تا کجا در حجرہ باشی مقیم

’’تو جو قرآن کریم پر فخر کرتا ہے، کب تک حجرے کو اپنا ٹھکانا بنائے رکھے گا‘‘۔

در نفس سوزِ جگر باقی نماند
لطف قرآں سحر باقی نماند

’’میرے سانس میں جگر کا سوز باقی نہیں رہا۔صبح کے وقت تلاوت قرآن کا لطف بھی جاتا رہا‘‘۔

اندکے گم شو بقرآن و خبر
باز اے ناداں بخویش اندر نگر

’’کچھ دیر کے لیے قرآن کریم اور حدیث کے اندر گم ہو جا پھر اے نادان اپنی ذات کے اندر بغور جھانک‘‘۔

غیر قرآں غمگسارِ من نبود
قوتش ہر باب را بر من کشود

’’سوائے قرآن کریم کے کوئی اور میرا غمگسار نہ تھا،اس کی طاقت نے مجھ پر (کامیابی کے) تمام دروازے کھول دیئے‘‘۔

صد جہاں باقی است در قرآں ہنوز
اندر آیاتش یکے خود را بسوز

’’قرآن کریم میں ابھی سینکڑوں جہان باقی ہیں۔تو ذرا اس (قرآن) کی آیات کے سوز سے گرمی حاصل کر (خود کو جلا تو سہی)‘‘۔

برگ و سازِ ما کتاب و حکمت است
ایں دو قوت اعتبارِ ملت است

’’ہمارا اثاثہ حیات قرآن کریم اور حکمت ہے انہی دو قوتوں سے ملتِ اسلامیہ کا وقار اور بھرم ہے‘‘۔

بر خور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیر ش دیدہ ام آب حیات
''اگر تو حیاتِ ابدی کی خواہش رکھتا ہے تو قرآن کریم سے استفادہ کر میں نے اس میں آب حیات دیکھا ہے''۔

گوہر دریائے قرآں سفتہ ام
شرح رمز صبغۃ اللہ گفتہ ام
''میں نے قرآن پاک کے سمندر سے موتی نکال کر اپنے کلام میں پرویا ہے۔میں نے اللہ تعالیٰ کے رنگ کے راز کی تفسیر بیان کی ہے''۔

ارمغانِ حجاز

ز رازی حکمت قرآں بیاموز
چراغے از چراغ او بر افروز
''(اے مسلمان) رازی سے قرآن کی حکمت سیکھ، اس کے (علم کے) چراغ سے (اپنا) چراغ روشن کر''۔

نیام او تہی چوں کیسہ او
بطاق خانہ ویراں کتابش
''اس (آج کا مسلمان) کی نیام اس کی جیب کی طرح خالی ہے۔یعنی نہ اس کی جیب میں پیسہ ہے اور نہ اس کی نیام میں تلوار ہے۔اور اس کی کتاب (قرآن) ویران گھر کے طاق میں رکھی ہوئی ہے''۔

بہ بند صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمت قرآں نگیری
''اے مسلمان تو صوفی و ملا کی زنجیروں میں قید ہے۔قرآن کی حکمت سے زندگی حاصل نہیں کرتا''۔

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری
''تجھے اس کی آیتوں سے اس کے سوا کوئی سروکار نہیں کہ اس کی سورہ یٰسین سے تو آسانی مر سکے''۔

اسرارِ خودی

اے امین حکمتِ ام الکتاب
وحدت گمگشتہ ی خود بازیاب

''اے مسلمان! تو قرآن کریم کی حکمت کا امانت دار ہے تو اپنی گم گشتہ وحدت کو پھر سے پالے/ حاصل کرلے''۔

بانگِ درا

میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

بالِ جبریل

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشاف

ضربِ کلیم

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمد
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

بشکریہ مراۃ العارفین انٹرنیشنل
مارچ 2021ء

□□□□□

نجم آفندی

مایوس شفا کو آسرا دیتے ہیں
آیات کو تعویذ بنا دیتے ہیں
ہوشیار تو لیتے نہیں قرآں سے سبق
بےہوش کو قرآں کی ہوا دیتے ہیں

□□□□□

سورہ فاتحہ کا منظوم ترجمہ

جوش ملیح آبادی

نام رب سے کرتا ہوں میں ابتدا
ہے جو رحمن مہربان سب سے بڑا

حمد ہے ساری خدا کے واسطے
جو ہے رب سارے جہانوں کے لئے

وہ ہے رحمن مہربان سب سے بڑا
اور وہی ہے مالک روز جزا

کرتے ہیں تیری عبادت ، یاد ہم
مانگتے ہیں تجھ سے ہی امداد ہم

اے ہمارے مہرباں رب کریم
تو دکھا ہم کو صراط مستقیم

راہ ایسے لوگوں کی اے بے نیاز
جو تھے تیری رحمتوں سے سرفراز

ان کی راہوں پر چلا ہرگز نہیں
جن کے اوپر آفتیں ڈھائی گئیں

اور نہیں زنہار تو اے کبریا
گمراہوں کی راہ پر ہم کو چلا

دل میں قرآن کی شہ روشنی در آئی ہے

شیر افضل جعفری، جھنگ

دل میں قرآن کی شہ روشنی در آئی ہے
وحی و الہام کی تصویر اُتر آئی ہے

قدر کی رات پَری ''چاند بہ سر'' آئی ہے
تھام کر ہاتھ میں کرنوں کا چنّور آئی ہے

کُفر کافور ہوا، شرک کے لشکار گئے
روح کے طُور پر توحید نکھر آئی ہے

مسجدیں مست ملنگوں سے منور ہوں گی
آسماں سے یہ جواں سال خبر آئی ہے

میں نے پہ رکھا ہے مولاؑ کی شہادت کا نشہ
ساغرِ مے کی طرح موت نظر آئی ہے

رات کے روپ میں آہستہ قدم رکھتی ہوئی
بندگی جھنگ کے درویش کے گھر آئی ہے

مجھ کو حاصل سر بوریا معراجِ بریں
عین سجدے میں خدا ذات نظر آئی ہے

فقرِ جوش باش کے حُجرے میں شہنشاہی بھی
مرمریں ٹھاٹھ سے آتے ہوئے شرمائی ہے

منہ سے نکلی تھی نرت کار دعا پچھلی رات
صبح کو لے کے طرح دار اثر آئی ہے

بے زبانوں کی خدا ساز خموشی کے تئیں
گنگناتی ہوئی ترتیل اُتر آئی ہے

چار سو کھلنے لگے ذکرِ الٰہی کے گلاب
چیت کو ساتھ لیے بانگِ سحر آئی ہے

کنجِ عزلت ہے، مصلّی ہے، خدا ہے، میں ہوں
آخرت رحم کی رِم جھم میں نکھر آئی ہے

□□□□□

محمد نصیرؔ زندہ

بلبل کی زباں گُل کے دہن میں آئی
خوشبو کی شوخی پیرہن میں آئی
لفظ و معنی کے ظرف میں رکھی نعت
قرآن کی روشنی سخن میں آئی

□□□□□

قرآن کی کہانی

56 بند کے مرثیہ سے انتخاب

قیصر بارہوی

قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سن لو
سرمایہ فطرت پہ جو بیداد ہے سن لو
دنیا بھی کہاں تک ستم ایجاد ہے سن لو
اک خون میں ڈوبی ہوئی روداد ہے سن لو
کیوں جلوہ احساس نہیں قلب و نظر میں
دیکھو تو سہی تیر ہے قرآں کے جگر میں

زخموں سے بھرا سورہ عمران کا سینہ
یسین کے چہرے پہ ہے خوں رنگ پسینہ
اشکوں میں ڈھلی قسمت بطحا و مدینہ
صد پاش ہے تطہیر کا انمول نگینہ
صدیوں کا سفر کرکے بھی مغموم ہے قرآں
دیکھو تو سہی صورت مظلوم ہے قرآں

خاموش لبوں پر ہیں تکلم کے اشارے
دنیا نے بھی کیا نیزہ و خنجر نہیں مارے
دامن میں سمائی ہوئی آیات کے پارے
کہتے ہیں چلے ہم پہ بہت ظلم کے آرے
تحریر میں بکھرے ہوئے نقطوں کی صدا ہے
چھلنی دل آیات کو امت نے کیا ہے

بے چین ہے جبریلؑ کا لایا ہوا دستور
غمگیں ہے سر عرش سے آیا ہوا دستور
رنجور ہے قدرت کا سجایا ہوا دستور
کہتا ہے محمدؐ کا سنایا ہوا دستور
صدمے جو ملے ہیں مجھے ایوان جہاں سے
اے اہل جہاں آؤ سنو میری زباں سے

ہر دور میں بخشا مجھے وحدت نے تکلم
چھینا گیا لیکن مرے ہونٹوں کا تبسم
ٹکرا گیا ایقان سے دنیا کا توہم
مغموم تلاوت رہی مسرور ترنم
یوں دور کیا علم کو اوصاف عمل سے
آیت کی جگہ فال نکالی ہے غزل سے

تسخیر ہوئے ملک بڑھائے گئے لشکر
کلمے کی اشاعت ہوئی شمشیر کے بل پر
احکام چلے جبر و تشدد کے سمندر
تفریح طبیعت کے لیے جلتے رہے گھر
لاتفسد و فی الارض کا فرمان بھلایا
دولت پہ تو مرتے رہے انسان بھلایا

کعبے میں تو کثرت سے نظر آتے ہیں حجاج
آنکھوں سے مگر دور عبادات کی معراج
اے کاش کبھی سوچتے یہ عقل کے محتاج
کیوں لٹ گیا میں کیوں مرا گھر ہو گیا تاراج
کیا مجھ پہ گزرتی ہے یہ سوچا نہ کسی نے
دشمن ہیں مرے کون یہ دیکھا نہ کسی نے

’’قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان‘‘

سید ثاقب اکبر

رحمان کی تصدیق ہے طاغوت کا بطلان
میراثِ نبوت ہے حقیقت کا ہے عرفان
مع کلِ مثل دین کی تکمیل کا اعلان
معبود کا بندوں کے لیے آخری فرمان
لے آیا ہے جب اس کی صداقت پہ تو ایمان
’’قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان‘‘

تثبیتِ یقیں، مکتبِ توحید کی خاطر
اور ہستئ مابعد کی تمہید کی خاطر
تعلیم کی ، تکریم کی ، تمجید کی خاطر
انسان کی معراج کی ، تصعید کی خاطر
دامانِ کرامت میں ہدایت کا ہے سامان
’’قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان‘‘

تعلیم وہ دیتا ہے جو فطرت میں ہے شامل
دانائی سے بھرپور ہے ، پیغام میں کامل
ماقبل کی تنزیل کی تصدیق کا حامل
اس قافلۂ حق و حقیقت سے تو آ مل
کس واسطے درماندہ ہے ، اُٹھ باندھ کے پیمان
''قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان''

اپنوں کی بداعمالی ہو یا غیر کی ترہیب
بکھری ہوئی ملت ہو کہ بگڑی ہوئی ترتیب
پس ماندگیٔ فرد ہو یا پستیٔ تہذیب
اور کام نہ آتی ہو کوئی حکمت و ترکیب
ہر غم کا مداوا ہے یہ ، ہر درد کا درمان
''قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان''

انسان کو چنتا ہے پئے حسنِ خلافت
تقویٰ کو یہ ٹھہراتا ہے معیارِ فضیلت

ایماں کے لیے رکھتا ہے اک دائمی عزت
ہر مرحلے میں فکر و تدبر کی ہے دعوت
احسان کے بدلے میں سکھاتا ہے یہ احسان
''قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان''

دانش اسی درگاہ پہ ہے رأس خمیدہ
ہم پایہ و ہم مرتبہ دیدہ نہ شنیدہ
آفاق کے سب قصّوں میں ممتاز جریدہ
اور مرسلِ خاتمؐ کا دل آویز قصیدہ
فیّاضِ ازل کا ہے یہی دائمی فیضان
''قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان'' *

سید ثاقب اکبر

* یہ مصرع علامہ اقبالؒ کے مجموعۂ کلام بالِ جبریل کی نظم ''اشتراکیت'' سے ماخوذ ہے۔